www.KitaboSunnat.com



وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۸ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ

اللہ تمہیں واضح ہدایات دیتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔(۱۸) جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی [۲۲] کی اشاعت ہو ان کے لئے دنیا

والوں کی عظمت شان کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔

[۲۲] ۞ فحاشی کی مختلف صورتیں اور ان کی اشاعت:۔ فاحشة سے مراد ہر وہ کام جو انسان کی شہوانی خواہش میں تحریک پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہو۔ فحاشی کی اشاعت کی بہت سی صورتیں ہیں۔ پہلی اور سب سے اہم صورت وہی ہے جس کا اس صورت میں ذکر ہے۔ یعنی یہ کہ اگر کوئی شخص کسی پاک دامن عورت پر الزام لگا دے تو دوسرے لوگ بلا تحقیق اس بات کو آگے دوسروں سے بیان کرنا شروع کر دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زنا (جسے قرآن نے فاحشة مبينة کہا ہے) کے علاوہ شہوت رانی کی دوسری صورتیں اختیار کی جائیں۔ مثلاً مردوں کی مردوں سے خواہش پوری کرنا یعنی لواطت جس کی وجہ سے قوم لوط پر پتھروں کا عذاب نازل ہوا تھا اور ہماری شریعت میں لواطت کی سزا قتل ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مرد حیوانات سے یہ غرض پوری کریں۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اگر تم دیکھو کہ کوئی شخص حیوان پر جا پڑا ہے تو اس کو بھی اور اس حیوان کو بھی مار ڈالو" (ترمذی۔ ابواب الحدود۔ باب ما جاء فيمن يقع على البهيمة)

چوتھی صورت یہ ہے کہ عورتیں عورتوں سے ہمبستری کریں۔ شریعت نے عورتوں کے لئے بھی ستر کے حدود مقرر کر دیئے ہیں۔ یعنی کوئی عورت کسی عورت کے سامنے بھی ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ کسی صورت میں نہیں کھول سکتی اور ہمارے ہاں جو یہ رواج ہے کہ عورتیں ایک دوسرے کے سامنے ننگے بدن ایک ساتھ نہا لیتی ہیں یہ بالکل خلاف شرع ہے اور عورتوں کا ننگے بدن ایک دوسرے سے چمٹنا اور بھی بری بات ہے۔ اس بات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع کیا اور فرمایا "کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ نہ چمٹے" (بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها)

اس حدیث کے الفاظ سے پیٹی لگانا بھی مراد لیا جا سکتا ہے (یعنی عورت کا عورت کے ساتھ لگ کر جنسی خواہش پوری کرنا) کیونکہ عربی زبان میں مجامعت کے لئے مباشرت کا لفظ بھی عام استعمال ہوتا ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ عورتیں بعض حیوانات سے اپنی جنسی خواہش پوری کریں جیسا کہ بنگلوں میں رہنے والی بعض مہذب خواتین اپنے پالتو کتوں سے بدفعلی کرواتی ہیں اس کا حکم بھی تیسری صورت پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے دوستوں سے اپنی بیوی سے ہمبستری کی باتیں دلچسپی لے لے کر بیان کرے یا کوئی عورت اپنی سہیلیوں سے ایسے ہی تذکرے کرے۔ یا کوئی عورت ننگے بدن دوسری ننگی عورت سے چمٹے پھر اس بات کا تذکرہ اپنے خاوند سے کرے اور اس عورت کے مقامات ستر سے اسے آگاہ کرے تاکہ اس کے شہوانی جذبات بیدار ہوں اور اس کا خاوند اس کی طرف مائل ہو۔ ایسی تمام باتوں سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۹ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ

ع ۲ النصف

میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ اور (اس کے نتائج کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے تم نہیں جانتے۔[۲۳](۱۹) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی (تو اس کے برے نتائج تمہارے سامنے آجاتے) اور اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔(۲۰)

اے ایمان والو! شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو وہ تو بے حیائی[۲۴] اور برے کاموں کا ہی حکم دے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں

پھر آج کل فحاشی کی اشاعت کی اور بھی بہت سی صورتیں ایجاد ہو چکی ہیں۔ مثلاً تھیٹر، سینما گھر، کلب ہاؤس، اور ہوٹلوں کے پرائیویٹ کمرے۔ ریڈیو اور ٹی وی پر شہوت انگیز پروگرام اور زہد شکن گانے۔ فحاشی پھیلانے والا لٹریچر، ناول افسانے اور ڈرامے وغیرہ اور جنسی ادب۔ اخبارات اور اشتہارات وغیرہ میں عورتوں کی عریاں تصاویر۔ ناچ گانے کی محفلیں۔ غرض فحاشی کی اشاعت کا دائرہ آج کل بہت وسیع ہو چکا ہے اور اس موجودہ دور میں فحاشی کے اس سیلاب کی ذمہ دار یا تو خود حکومت ہے یا پھر سرمایہ دار لوگ جو سینما، تھیٹر اور کلب گھر وغیرہ بناتے ہیں یا اپنا میک اپ کا سامان بیچنے کی خاطر انہوں نے عورتوں کی عریاں تصاویر شائع کرنے کا محبوب مشغلہ اپنا رکھا ہے یا بعض اداروں اور مکانوں میں عورتوں کو سیل مین کے طور پر ملازم رکھا جاتا ہے تاکہ مردوں کے لئے وہ باعثِ کشش ہوں اور ان کے کاروبار کو فروغ حاصل ہو۔ ان سب باتوں کے لئے وہی وعید ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اور اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ فحاشی کی ان تمام اقسام کو قابلِ دست اندازی پولیس جرم قرار دے۔ تاکہ کم از کم دنیا کے عذاب سے تو لوگ بچ سکیں۔ ورنہ انہیں دنیا میں عذاب چکھنا ہوگا اور آخرت کا عذاب تو بہر حال یقینی ہے۔

[۲۳] یعنی یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ ان فحاشی کے کاموں کا دائرہ اثر کتنا وسیع اور ان کی زد کہاں کہاں تک پہنچتی ہے۔ کس طرح چند لوگوں کی فحاشی سے یا فحاشی کی افواہیں پھیلانے سے پوری قوم کا اخلاق تباہ و برباد ہوتا ہے بدکار لوگوں کو بدکاری کے نئے نئے مراکز کیسے مہیا ہوتے ہیں۔ نیز نئی نسل کے ذہنوں میں جب ابتداءً فحاشی بھر دی جائے تو پوری قوم کس طرح اللہ اور روز آخرت سے غافل ہو کر اللہ کی نافرمان بن جاتی ہے۔ یہ باتیں تم نہیں جان سکتے۔

[۲۴] ۞ شرک کے بعد شیطان کا دوسرا وار فحاشی پھیلانا ہے:۔ یعنی شیطان کا تو کام ہی یہ ہے کہ تمہیں برائیوں اور بے حیائیوں کے کاموں میں مبتلا کر کے تمہارا ایمان تباہ اور تمہیں گمراہ کر دے۔ شیطان کا انسان پر سب سے پہلا وار تو یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے شرک کی نئی راہیں سجھاتا اور انہیں بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے۔ جس سے کم ہی لوگ بچتے ہیں۔ اس طرح توحید سے گمراہ کر کے شرک میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کا دوسرا وار یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو بے حیائی کے کاموں میں مبتلا کرے اور یہ کام بھی انہیں نہایت خوبصورت انداز میں پیش کرے۔ جنت میں شیطان نے یہی کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ پہلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ
السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا

سے کوئی بھی پاک صاف[۲۵] نہ رہ سکتا تھا۔ مگر اللہ جسے چاہے پاک سیرت[۲۶] بنا دیتا ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔(۲۱) اور تم میں سے آسودہ حال لوگوں کو یہ قسم نہ کھانا چاہئے کہ وہ قرابت داروں،[۲۷] مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ (صدقہ وغیرہ) نہ دیں گے۔ انہیں چاہئے کہ وہ ان کو

سیدنا آدم علیہ السلام و حوّا کو خوبصورت وعدے اور سبز باغ دکھا کر اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں ان دونوں کا لباس اتروا دیا تھا۔ آج بھی شیطان اور اس کے چیلے اسی کام میں لگے ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ گھر کی چار دیواری عورت کے لئے قید خانہ اور اس کی آزادی پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے یا پردہ ایک دقیانوسی چیز ہے۔ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک عورت گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر اور بے حجاب ہو کر مرد کے شانہ بشانہ کام نہ کرے یا عورت کے گھر میں بند رہنے سے ملکی معیشت پر ناگوار اثر پڑتا ہے۔ ایسی سب باتیں بے حیائی کی باتیں ہیں جو خوبصورت کر کے پیش کی جاتی ہیں۔ ان کا اصل مقصد عورت و مرد کا بے حجابانہ اور آزادانہ اختلاط ہے اور بدکاری کی راہیں بڑی آسانی سے کھلنے لگتی ہیں۔ نیز جن فحاشی کے کاموں کا اوپر ذکر ہوا ہے ان میں سے اکثر کام ایسے ہیں جو تہذیب حاضر کا جزو لاینفک سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے کاموں میں ہی الجھا کر شیطان انسانوں کو مزید بڑے بڑے فتنوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہی اس کا اصل مقصد ہوتا ہے۔

[۲۵] یعنی یہ اللہ کی خاص رحمت تھی کہ اس نے تمہیں اس فتنہ کی رو میں بہہ جانے سے بچا لیا۔ ورنہ شیطان کا یہ حملہ اتنا زور دار تھا کہ اگر اللہ کا فضل تمہارے شامل حال نہ ہوتا تو شاید تم میں سے کوئی بھی اس رو میں بہہ جانے سے بچ نہ سکتا۔

[۲۶] یعنی پاک سیرت بنانے کے لئے یا بنائے رکھنے کے لئے بھی اللہ کا ایک ضابطہ ہے۔ جو یہ ہے کہ جو شخص خود پاک سیرت رہنے کی کوشش کرتا ہے اسے ہی اللہ پاکیزہ رہنے کی توفیق بھی دیتا ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس پاکیزگی کا اہل ہے اور کون نہیں؟

[۲۷] ❁ سیدنا ابو بکر کا وظیفہ بند کرنے پر قسم کھانا:۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مفصل بیان والی حدیث میں یہ مذکور ہے کہ مِسطح بن اثاثہ ان سادہ لوح مسلمانوں میں سے تھے جو اس فتنہ کی رو میں بہہ گئے تھے۔ یہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار تھے اور محتاج تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ انہیں گزر اوقات کے لئے کچھ ماہوار وظیفہ بھی دیا کرتے تھے۔ جب یہ بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان سے رنج پہنچ جانا ایک فطری امر تھا۔ جس نے بھلائی کا بدلہ برائی سے دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے قسم کھالی کہ آئندہ ایسے احسان فراموش کی کبھی مدد نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے ایسے لوگوں سے بھی عفو و درگزر کی تلقین کی گئی۔ چنانچہ آپ نے فوراً اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور فرمایا: ''پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کر دے'' چنانچہ آپ نے دوبارہ مدد کا سلسلہ جاری رکھنے کا عہد کیا بلکہ پہلے سے زیادہ مدد کرنے لگے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ
لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم

معاف کر دیں اور ان سے در گزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف [۲۷۔الف] کر دے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔(۲۲) جو لوگ پاکدامن اور بھولی بھالی [۲۸] مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا میں بھی لعنت اور آخرت میں بھی اور انہیں بہت بڑا عذاب ہوگا۔(۲۳) جس دن ایسے مجرموں کی اپنی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں ان کے کرتوتوں سے متعلق ان کے خلاف گواہی [۲۹]

[۲۷۔الف] ۞ معاف اس لئے کرنا چاہئے کہ اللہ ہمیں معاف کرے:۔ گویا اس آیت میں مسلمانوں کو ایک بڑا بلند اصول مد نظر رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے یعنی کسی کو معاف کرتے وقت انہیں یہ نہ سوچنا چاہئے کہ اس کا میرے ساتھ برتاؤ کیسا رہا ہے۔ بلکہ اس لئے معاف کرنا چاہئے کہ اللہ انہیں معاف فرمائے گا۔ اور یہ ایسی ضرورت ہے جس کی ہر شخص کو ہر حال میں ضرورت ہوتی ہے۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امداد تو جاری کر دی۔ مگر کیا قسم کا کفارہ بھی ادا کیا تھا؟ اس بات کا یہاں ذکر تک نہیں آیا۔ لہٰذا بعض علماء کا خیال ہے کہ اچھے کام کو اختیار کر لینا ہی قسم کا کفارہ ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے اور سورہ مائدہ میں قسموں کے کفارہ کا حکم نازل ہونے کے بعد قسم کا کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور دلیل مزید کے طور پر درج ذیل حدیث پیش کرتے ہیں:

"سیدنا ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ: آپ نے فرمایا: "میں تو اللہ کی قسم! جو اللہ چاہے جب کسی بات پر قسم کھا لیتا ہوں۔ پھر اس کے خلاف کرنا بہتر سمجھتا ہوں تو اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں اور جو کام بہتر معلوم ہوتا ہے وہ کر لیتا ہوں" (بخاری۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب الاستثناء فی الایمان) لہٰذا بہتر صورت یہی ہے کہ ایسی قسم کا کفارہ بھی ادا کر دیا جائے۔

[۲۸] یعنی جنہیں ایسی گندی باتوں کا خیال بھی نہ ہو۔ ان کا ذہن ہی ایسی باتوں کی طرف منتقل نہ ہوتا ہو کہ بد چلنی کیا چیز ہے اور یہ کیسے کی جاتی ہے یعنی وہ سیدھی سادی اور پاک فطرت عورت جو بد چلن عورتوں کے چلتروں اور ان کی باتوں تک سے ناواقف ہوتی ہے اور صحیحین کے مطابق ایسی بھولی بھالی مومن عورتوں پر تہمت لگانا ان سات تباہ کن گناہوں میں سے ہے جو سابقہ کئے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ اور یہاں تو معاملہ اور بھی سخت ہے کیونکہ جس پر بہتان باندھا گیا ہے وہ کوئی عام مومنہ نہیں۔ بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی بیوی اور مومنوں کی ماں ہے۔ لہٰذا ایسے تہمت لگانے والے منافقین پر دنیا میں بھی لعنت برستی رہے گی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ان منافقوں پر جو لعنت برستی رہی اور ہر دم ذلیل و خوار ہوتے رہے وہ سب نے دیکھ لیا اور آخرت میں یہ لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

[۲۹] ۞ اعضاء و جوارح کی شہادت:۔ اس دنیا میں انسان جو کچھ زبان سے بولتا یا کلام کرتا ہے۔ وہ دل کے ارادہ کے مطابق بولتا ہے۔ دل میں جھوٹ بولنے یا ہیرا پھیری کرنے کی نیت ہو تو انسان کی زبان وہی الفاظ ادا کرے گی جو انسان کے دل میں ہوتا ہے۔ گویا زبان دل کے ارادہ کے تابع ہوتی ہے اور دوسرے اعضاء و جوارح بھی وہی کام کرتے ہیں۔ جسے انسان کا دل چاہتا ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾
الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۚ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ

دیں گے۔(۲۴) اس دن اللہ تعالیٰ انہیں وہ بدلہ دے گا جس کے [۳۰] وہ مستحق ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے، سچ کو سچ کر دکھانے والا ہے۔(۲۵) خبیث عورتیں، خبیث مردوں کے لیے، اور خبیث مرد، خبیث عورتوں کے لیے ہیں۔ اور پاکیزہ [۳۱] عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کیلئے ہیں۔

مگر آخرت میں یہ اعضاء انسان کے ارادہ کے تابع نہیں ہوں گے بلکہ اس حقیقت کے تابع ہوں گے کہ انسان اس دنیا میں اپنے اعضاء و جوارح سے جو کام لے رہا ہے۔ تو ساتھ کے ساتھ ان اعمال و افعال و اقوال کے اثرات ان اعضاء و جوارح پر بھی مترتب ہوتے جا رہے ہیں۔ آج انسان اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔ تاہم بعض موجودہ سائنسی ایجادات نے اس مسئلہ کو قریب الفہم ضرور بنا دیا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان اعضاء و جوارح کو زبان دے دیں گے۔ اور وہ وہی بات کہیں گے جو اثرات ان پر مترتب ہوئے تھے اور جو کچھ ان سے کام لیا گیا تھا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص قیامت کے دن اپنے کسی جرم کا اعتراف کرنے کی بجائے غلط سلط باتیں بنانے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کی زبان اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو قوت گویائی دے کر صحیح باتیں بتانے کا حکم دے گا۔ تو سب اعضاء و جوارح کی گواہی ایسے مجرموں کے خلاف قائم ہو جائے گی اور انہیں جو سزا ملے گی وہ علیٰ رؤس الشہادات ملے گی۔

[۳۰] دین کے لغوی معانی:۔ دین کا لفظ چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے (۱) اللہ کی خالصتاً اور مکمل حاکمیت (۲) بندے کی خالصتاً اور مکمل عبودیت (۳) قانون سزا و جزا اور (۴) قانون جزا و سزا کا عملاً نفاذ۔ اس آیت میں دین تیسرے اور چوتھے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں کما تدین تدان (یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے) یعنی اس دن اللہ تعالیٰ جو ان مجرموں کو بدلہ دے گا وہ ٹھیک ٹھیک جزا و سزا کے اس قانون کے مطابق ہوگا جس کا ذکر قرآن میں بے شمار مقامات پر مذکور ہے۔ اور ہر شخص کو واضح طور پر یہ معلوم ہو جائے گا کہ اسے جو سزا دی جا رہی ہے فی الواقع وہ اللہ کے قانون عدل کے مطابق اسی سزا کا مستحق تھا۔

[۳۱] اس آیت کا ایک مطلب تو یہ ہے جو ترجمہ سے واضح ہے اور ربط مضمون کے لحاظ سے مناسب بھی یہی ہے۔ یعنی پاکباز مردوں اور عورتوں کی تہذیب، ماحول اور عادات ان لوگوں سے بالکل الگ ہوتی ہیں۔ جو گندے اور فحاشی کے کاموں میں مبتلا ہوں۔ ان دونوں کا آپس میں مل بیٹھنا فطرتاً بھی محال ہوتا ہے۔ نہ ان کی تہذیب آپس میں مشترک ہو سکتی ہے، نہ بول چال اور نہ عادات۔ ایک پاکباز انسان کسی گندے ماحول میں چلا جائے تو اسے وہاں ایک دن گزارنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اسی طرح ایک فاحش مرد اور ایک فاحشہ عورت کے لئے کسی پاکیزہ ماحول میں ایک دن گزارنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے دونوں طبقات کو آپس میں ملانے یا آپس میں رشتے استوار کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی ایسی کوشش کرے گا تو ناکامی اور خرابی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ طیبات کو اپنے وسیع مفہوم میں لیا جائے۔ اس لحاظ سے اس کے معنی میں پاکیزہ عورتیں ہی نہیں پاکیزہ باتیں بھی شامل ہیں۔ یعنی پاکباز لوگوں کی زبانوں سے پاکیزہ باتیں ہی نکلتی ہیں اور گندے خیال رکھنے والے لوگوں کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

ع ۹

ان کا دامن ان باتوں سے پاک ہے جو وہ (تہمت لگانیوالے) بکتے ہیں، ان کے لئے بخشش بھی ہے اور عزت کی روزی بھی۔(۲۶) اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا[۳۲] دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ ان کی رضا[۳۳]

گندی باتیں سوجھتی ہیں۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ پاکیزہ خیال لوگوں کو گندی باتیں سوجھیں اسی طرح گندی ذہنیت رکھنے والوں کو پاکیزہ باتیں کم ہی سوجھتی ہیں۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ فحاشی پھیلائی اور پروپیگنڈہ کیا۔ حقیقتاً گندی ذہنیت کے لوگ تھے۔ پاکباز لوگوں کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ ایسی باتوں میں حصہ لیں۔ وہ ایسی باتوں سے بچنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔

[۳۲] ۞ اجازت کے بغیر گھروں میں داخلہ پر پابندی:۔ اس سے پہلے سورہ احزاب میں بھی گھروں میں اذن لے کر داخل ہونے کا حکم آچکا تھا۔ لیکن اس حکم کا دائرہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود تھا۔ مگر اس حکم کے ذریعہ اسے تمام گھروں تک پھیلا دیا گیا۔ اس سے پہلے اس سورہ میں ایسے احکام بیان ہوئے ہیں۔ جن کا تعلق ایسے حالات سے تھا جب فحاشی کی بنا پر کوئی فتنہ رونما ہو چکا ہو۔ اب ایسے احکام دیئے جارہے ہیں جن پر عمل کرنے سے کسی فتنہ کے سر اٹھانے کے امکانات کم سے کم رہ جاتے ہیں۔ گویا یہ احکام فحاشی کے پھیلاؤ کے سلسلہ میں سد ذرائع کا حکم رکھتے ہیں۔ عرب معاشرہ میں یہ عام دستور تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا جھجک داخل ہو جاتے تھے۔ اس آیت کے ذریعہ ایسی آزادانہ آمد و رفت پر پابندی لگا دی گئی۔

[۳۳] ۞ استأنس کا لغوی مفہوم۔ احکام استیذان:۔ اس آیت میں تستأنسوا کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مادہ انس ہے جس کا عربی میں بھی وہی مفہوم ہے جو ہمارے ہاں سمجھا جاتا ہے یعنی کسی سے مانوس ہونا یا اسے مانوس کرنا۔ اور اس کا مطلب کوئی بھی ایسا کام کرنا ہے۔ جس سے صاحب خانہ کو علم ہو جائے کہ دروازے پر فلاں شخص کھڑا اندر آنے کی اجازت چاہ رہا ہے۔ بعض دفعہ کھنگارنے سے ہی یہ مطلب حاصل ہو جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ بولنے یا السلام علیکم کہنے سے۔ اس طرح صاحب خانہ کو اس کی کھانسی یا آواز سے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آواز فلاں شخص کی ہے۔ بعض دفعہ کوئی شخص برقی گھنٹی ہی اس انداز سے دباتا ہے جو اس میں اور صاحب خانہ میں متعارف ہوتی ہے۔ اور گھنٹی بجانے سے ہی صاحب خانہ کو علم ہو جاتا ہے۔ کہ فلاں شخص آکر آواز دے رہا ہے۔ ایسی تمام صورتیں تستانسوا کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اسی لئے اس کے قریبی مفہوم ”رضا حاصل کرنا“ سے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اب اگر یہ استیناس السلام علیکم کہنے سے ہی کیا گیا ہے تو ٹھیک ہے۔ اور اگر کسی اور طریقہ سے کیا گیا ہے تو گھر میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم کہنا بھی ضروری ہے۔

یہاں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”اپنے گھروں“ سے کیا مراد ہے؟ اور اس کے مفہوم میں کون کون سے گھر شامل ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے گھر سے صرف وہ گھر مراد ہے جہاں اس کی بیوی رہتی ہو۔ یہی وہ گھر ہے جس میں شوہر ہر وقت بلا جھجک اور بلا اجازت داخل ہو سکتا ہے۔ اپنی ماں اور بیٹیوں تک کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے استیناس ضروری ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

علاء بن سیار کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کیا میں گھر جاتے وقت اپنی ماں سے بھی اذن مانگوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“ وہ بولا: ”میں تو اس کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ

حاصل نہ کرو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو۔ یہ بات تمہارے [۳۴] حق میں بہتر ہے توقع ہے کہ تم اسے یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) گے۔(۲۷) پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ تو جب تک تمہیں اجازت [۳۵] نہ ملے اس میں داخل نہ ہونا۔ اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ [۳۶]۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔(۲۸)

اجازت لے کر داخل ہو" وہ کہنے لگا: "میں ہی تو اس کی خدمت کرتا ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر بھی اجازت لے کر داخل ہو۔ کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تو اپنی ماں کو ننگا دیکھے؟" وہ کہنے لگا: "نہیں" آپ نے فرمایا: "تو پھر اذن لے کر جاؤ (موطا امام مالک۔ کتاب الجامع۔ باب الاستیذان)

اور "اپنے گھر" میں بلا اجازت داخل ہونے کی اجازت ضرور ہے۔ مگر بہتر یہی ہے کہ اپنے گھر میں یکایک اور اچانک داخل نہ ہو۔

[۳۴] ۞ اذن کیوں ضروری ہے؟ یعنی یہ بات صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے کہ ملاقاتی صاحب خانہ سے پہلے اذن حاصل کرے۔ پھر گھر میں داخل ہو۔ اس لئے کہ اگر ملاقاتی گھر میں بلا اذن داخل ہو تو ممکن ہے اس وقت اہل خانہ اپنی کسی پرائیویٹ گفتگو میں مصروف ہوں، یا عورت بے حجاب پھر رہی ہو۔ یا صاحب خانہ کسی اور مجبوری یا معذوری کی وجہ سے اس وقت ملاقات کرنا ہی نہ چاہتا ہو اور اس طرح ملاقاتی کو خواہ مخواہ خفت یا ندامت حاصل ہو۔ لہٰذا مہذبانہ طریقہ یہی ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت حاصل کی جائے۔

[۳۵] یعنی جب گھر والوں میں سے کوئی شخص بھی گھر میں موجود نہ ہو اس وقت ہرگز کسی دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس طرح ایک دوسرے کے متعلق کئی طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں اور الزام تراشی سے بڑھ کر معاملہ تنازعہ کی شکل اختیار کر سکتا ہے اس سے استثناء کی صورت صرف یہ ہے کہ صاحب خانہ خود ہی کسی ملاقاتی کو اپنے کمرہ وغیرہ میں یہ کہہ کر بٹھا جائے کہ تھوڑی دیر انتظار کرو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ اور اس طرح کی اجازت کی بھی کئی صورتیں ممکن ہیں۔

[۳۶] ایسی اجازت لینے کی حد تین بار ہے۔ ممکن ہے پہلی بار اور دوسری بار اجازت کی بات کو صاحب خانہ سن ہی نہ پائے۔ یا وہ اپنے کسی کام میں سخت مشغول ہو اور اتنی جلدی دروازہ تک آ ہی نہ سکتا ہو۔ لہٰذا تین بار اجازت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ اجازت تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد طلب کرنا چاہئے اور اگر تین بار اجازت طلب کرنے پر بھی اندر سے کوئی جواب نہ ملے تو ملاقات یا داخلہ کے لئے مزید اصرار نہ کرنا چاہئے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

۞ اگر تیسری بار بھی اذن نہ ملے تو واپس چلے جانا چاہئے:۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ ابو موسیٰ اشعری آئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ڈرے ہوئے اور گھبرائے ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگے: "میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں گیا تھا میں نے تین بار اذن مانگا مگر مجھے اذن نہیں ملا آخر میں لوٹ گیا۔ پھر مجھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "تم کھڑے کیوں نہ رہے؟" (انتظار کیوں نہ کیا؟) ابو موسیٰ اشعری کہنے لگے: "میں نے تین بار اذن مانگا اور مجھے اذن نہ ملا تو میں لوٹ آیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾ قُل

البتہ بے آباد گھروں میں[۳۷] داخل ہونے سے تم پر کوئی گناہ نہیں جہاں تمہارے فائدے کی کوئی چیز ہو۔ اور اللہ خوب[۳۸] جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔(۲۹)

ہے کہ تم میں سے کوئی شخص تین بار اذن مانگے پھر اسے اذن نہ دیا جائے۔ تو لوٹ آئے"۔ سیدنا عمرؓ نے کہا کہ: "اللہ کی قسم! تجھے اس حدیث پر کوئی گواہ لانا ہوگا" اب بتاؤ کیا تم میں سے کسی نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے؟" سیدنا ابی بن کعب کہنے لگے: "اللہ کی قسم! تمہارے ساتھ وہ آدمی شہادت دے گا جو ہم سب میں چھوٹا ہو" اور ان سب میں چھوٹا میں ہی تھا۔ چنانچہ میں ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ گیا اور سیدنا عمرؓ کو بتایا کہ نبی ﷺ نے واقعی ایسا فرمایا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ اس سے سیدنا عمر کا ارادہ محض حدیث کی توثیق تھا۔ یہ نہیں کہ وہ خبر واحد کو درست نہ سمجھتے تھے۔ (بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ باب التسلیم والاستیذان ثلثا)

اور اگر صاحب خانہ دروازہ وغیرہ کھٹکھٹانے پر پوچھے کہ کون ہے؟ تو ایسے واضح الفاظ میں اپنا تعارف کرانا یا نام بتانا چاہئے جس سے صاحب خانہ کو علم ہو جائے کہ فلاں شخص داخلہ کی اجازت چاہتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں واضح ہے۔

۱۔ اذن لینے کا طریقہ:۔ سیدنا جابرؓ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس اس قرضہ کے سلسلے میں بات کرنے کے لئے حاضر ہوا جو میرے والد پر تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ نے (اندر سے) پوچھا کون ہے؟" میں نے کہا: "میں ہوں" آپ نے فرمایا: "میں تو میں بھی ہوں" گویا آپ نے (نام بتانے کے بجائے) میں ہوں کہنے کو برا سمجھا۔ (بخاری۔ حوالہ ایضاً)

۲۔ اور اجازت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بیرونی دروازہ کے بالکل سامنے نہ کھڑا ہو۔ جبکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو تاکہ جب صاحب خانہ یا اس کا ملازم یا کوئی اور گھر کا فرد دروازہ کھولے تو اجازت ملنے سے پہلے ہی ملاقاتی کی نظر اندر تک نہ چلی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ: "جب نگاہ اندر چلی گئی تو پھر اذن کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔" (ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی الاستیذان)

۳۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "نظر بازی کی وجہ سے ہی تو اذن کا حکم دیا گیا ہے۔" (مسلم۔ کتاب الآداب۔ باب تحریم النظر فی بیت غیرہ)

۴۔ اور نظر بازی یا کسی کے گھر میں جھانکنا بہت بڑا گناہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص تمہارے مکان میں جھانکے اور تم کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔" (بخاری۔ کتاب الدیات باب من اطلع فی بیت قوم فتؤا عینہ) یعنی اگر کوئی شخص ایسے بد نظر شخص کی آنکھ پھوڑ بھی دے تو اس کا قصاص وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔

[۳۷] یعنی ایسے گھر جس میں کوئی خاص آدمی نہ رہتے ہوں۔ جبکہ وہ ہر خاص و عام کے لئے کھلے ہوں۔ جیسے نمازوں کی ادائیگی کے لئے مساجد، کھانے پینے اور رہائش کے لئے ہوٹل اور سرائیں وغیرہ۔ ایسے مقامات میں داخل ہونے کے لئے کسی اذن لینے کی ضرورت نہیں۔ اور اس کا دوسرا مطلب ایسے گھر بھی ہو سکتے ہیں جو بے آباد، ویران اور گرے پڑے ہوں۔ ان کے مالک انہیں چھوڑ کر چلے گئے ہوں یا نہ معلوم ہوں۔ اور وہاں مثلاً گھاس وغیرہ اگ آئی ہو۔ اور کوئی شخص وہاں سے گھاس کاٹ لے۔ یا ایسا ہی دوسرا فائدہ وہاں سے ہر شخص اٹھا سکتا ہے۔

[۳۸] یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے لامحدود علم کی بنا پر اور تمام امور کی رعایت محفوظ رکھ کر یہ احکام دیئے ہیں جو تمہارے تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

(اے نبی!) مومن مردوں سے کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی[۳۹] رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں[۴۰]۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔(۳۰) اور مومن عورتوں سے بھی کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو از خود ظاہری اور باطنی اعمال و افعال سے خوب واقف ہے۔ اور ان سے مقصود فحاشی اور فتنہ و فساد کے راستوں کو بند کرنا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ اسی غرض کو مدنظر رکھ کر ان پر عمل پیرا ہو۔

[۳۹] نگاہیں پست رکھنے کا حکم جیسے مومن مردوں کو ہے ویسے ہی مومن عورتوں کو بھی ہے۔ جیسا کہ اس سے اگلی آیت میں مذکور ہے نگاہیں نیچی رکھنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چلتے وقت راستہ بھی پوری طرح نظر نہ آئے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کی کسی غیر عورت پر اور عورت کی کسی غیر مرد پر نگاہ نہ پڑنی چاہئے اور اگر اتفاق سے نظر پڑ جائے تو فوراً نظر ہٹا لینی چاہئے۔ جیسا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ: پہلی بار کی نظر تجھے معاف ہے (یعنی اتفاقاً پڑ جائے) لیکن بعد کی معاف نہیں" (ترمذی۔ ابواب الادب۔ باب نظر الفجاءۃ) یعنی اتفاقاً نظر پڑ جانے کے بعد پھر دیکھتے نہیں رہنا چاہئے بلکہ فوراً نظر ہٹا لینی چاہئے اور ایک بار آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ "نظر بازی آنکھوں کا زنا ہے یا آنکھوں کا زنا نظر بازی ہے" (بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ باب زنا الجوارح دون الفرج)

[۴۰] ❁ نظر بازی زنا کا سب سے بڑا دروازہ ہے:۔ نظر بازی سے اجتناب کے ساتھ ہی مصلا اللہ تعالیٰ نے فروج کی حفاظت کا ذکر فرمایا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فروج (یعنی شرمگاہوں) کی حفاظت کے لئے نظر بازی سے اجتناب انتہائی ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر زنا کے عوامل میں سے نظر بازی ایک بہت بڑا عامل یا اس کا مین گیٹ ہے۔ اسی نظر بازی کے نتیجہ میں بعد میں انسان کے دوسرے اعضاء بھی اس فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا پوری حدیث اس طرح ہے "آنکھ کا زنا نظر بازی ہے۔ زبان کا زنا فحش کلامی ہے اور آدمی کا نفس زنا کی خواہش کرتا ہے۔ پھر شرمگاہ تو ان سب قسموں کے زنا کی تصدیق کر دیتی ہے یا تکذیب۔ (بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ باب زنا الجوارح دون الفرج)

۲۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے دروازہ کے سوراخ میں سے آپ ﷺ کے حجرے میں جھانکا اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں خارپشت یعنی ایک لوہے کی سلائی یا تیر کی انی تھی جس سے آپ ﷺ اپنا سر کھجلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں تیری آنکھ پر مار کر اسے پھوڑ دیتا۔ استیذان کا حکم تو نظر بازی کے فتنہ کی وجہ سے ہی ہوا ہے" (بخاری۔ کتاب الاستیذان)

۳۔ طبرانی میں ایک روایت یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: نظر بازی، ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے (بحوالہ تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۸۰)

❁ منگیتر کو دیکھنے کی اجازت:۔ البتہ اس میں استثناء کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کو اپنی ہونے والی بیوی یعنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

ظاہر ہو[۴۱] جائے۔ اور اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں اور اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر[۴۲] نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: خاوند، باپ، خاوند کے باپ (سسر) بیٹے، اپنے

مخطوبہ کو دیکھنے کی اجازت ہے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک عورت سے منگنی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس عورت کی طرف دیکھ لو، کیونکہ تم دونوں میں موانست کا یہ بہتر طریقہ ہے" (ترمذی۔ ابواب النکاح۔ باب النظر الی المخطوبة) اسی طرح آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا جو کسی انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "کیا تو نے اس مخطوبہ کی طرف دیکھ لیا؟" اس نے کہا "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا: جا اور اس کی طرف دیکھ لے کیونکہ انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے" (مسلم۔ کتاب النکاح۔ باب ندب من اراد نکاح امرأة الی ان ینظر الی وجهها)

[۴۱] بعض علماء نے قرآن کریم کے الفاظ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے یہ مراد لی ہے کہ حجاب سے چہرہ اور ہاتھ مستثنیٰ ہیں۔ یعنی عورتوں کو غیر مردوں سے بھی چہرہ اور ہاتھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔ یہ توجیہ درج ذیل وجوہ کی بنا پر غلط ہے:

۱۔ ہاتھوں اور چہرہ کو ڈھانپنا:۔ اس آیت میں احکام حجاب کی رخصتوں کا ذکر ہے نہ کہ احکام حجاب کی پابندیوں کا۔ یعنی ذکر تو یہ چل رہا ہے کہ فلاں فلاں ابدی محرم رشتہ داروں سے بھی حجاب کی ضرورت نہیں، اپنی عورتوں سے بھی لونڈیوں سے بھی، خدام اور نابالغ بچوں سے بھی اظہار زینت اور حجاب پر کوئی پابندی نہیں۔ اب دیکھئے اس آیت میں کہیں عام لوگوں یا غیر مردوں کا ذکر آیا ہے کہ ان سے بھی اظہار زینت پر کوئی پابندی نہیں؟ لہٰذا اگر ان حضرات کے مصداق ماظہر منھا سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہی لے لئے جائیں تو بھی چنداں فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس آیت میں مذکور اشخاص کے سامنے ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہی کا تو ذکر ہے۔

۲۔ اس بات کے باوجود بھی یہ توجیہ غلط ہے کیونکہ مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں ھا کی ضمیر زِيْنَتَهُنَّ کی طرف راجع ہے جو کہ قریب ہی مذکور ہے، نہ کہ اعضائے بدن کی طرف جن کا یہاں ذکر ہی موجود نہیں۔ اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ "عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس زینت سے از خود ظاہر ہو جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ عورتوں کو تکلیف مالا یطاق نہیں دینا چاہتے۔ یعنی اگر جلباب یا بڑی چادر یا برقع کسی وقت ہوا سے اٹھ جائے یا غفلت یا کسی دوسرے اتفاق کی بنا پر عورت کا زیور یا زینت یا اس کا کچھ حصہ ظاہر ہو جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اکثر صحابہ اور تابعین نے مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے یہی مفہوم مراد لیا ہے۔

۳۔ پیچھے واقعۂ افک میں ایک طویل حدیث، جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، گزر چکی ہے۔ اس میں وہ خود فرماتی ہیں کہ میں نے صفوان بن معطل سلمی کو جب بیدار ہو کر اپنے پاس کھڑا دیکھا تو میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ کیونکہ اس سے پہلے (سورہ احزاب میں) پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ پھر بعد میں کیا یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا؟ کیا کچھ شواہد و آثار ایسے ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر اس جملہ کا یہ مطلب کیسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیا جاسکتا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ پردہ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

۴۔ تمام بدن میں چہرہ ہی ایسا عضو ہے جس میں غیروں کے لئے دلکشی کا سب سے زیادہ سامان ہوتا ہے۔ پھر اگر اسے ہی پردہ سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تو باقی احکام حجاب کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟

اب اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ تمام تر صحابہ کرام میں سے سیدنا ابن عباس ؓ نے، پھر ان کے شاگردوں نے، پھر بعض فقہائے حنفیہ نے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے یہ مراد لیا ہے کہ ہاتھ اور چہرہ حکم حجاب سے خارج ہیں اور یہی وہ اصل بنیاد ہے جس پر منکرین حجاب اپنی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان اصحاب کا یہ موقف بھی منکرین حجاب کے کام کی چیز نہیں وجہ یہ ہے کہ ابن عباس ؓ ﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں۔

"ابن عباس اور ابو عبیدہ نے فرمایا "مومنوں کی عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ چادروں سے اپنے سر اور چہروں کو ڈھانپ کر رکھیں مگر ایک آنکھ کھلی رکھ سکتی ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ آزاد عورتیں ہیں" (معالم التنزیل بحوالہ تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۲۹)

اسی طرح کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ اپنے گھروں سے کسی ضرورت کے تحت نکلیں تو چادروں سے اپنے سروں کے اوپر سے چہروں کو ڈھانپ لیں اور (صرف) ایک آنکھ ظاہر کریں" (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۱۸، جامع البیان للطبری ص ۳۳ مطبوعہ مصر)

اور یہ تو ظاہر ہے کہ جلباب کا تعلق گھر کے باہر کی دنیا سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس گھر سے باہر مکمل پردہ (یعنی چہرہ سمیت کے قائل تھے، ان کے موقف میں اگر کچھ لچک ہے تو وہ گھر کے اندر کی دنیا سے ہے یعنی اگر گھر کے اندر ایسے رشتہ دار آجائیں جو محرم نہیں تو ان سے ہاتھ اور چہرہ چھپانے کی ضرورت نہیں لہٰذا آج کے مہذب اور پردہ کے مخالف طبقہ کے لئے ابن عباس ؓ کا یہ موقف بھی کچھ زیادہ سود مند نہیں۔

[۴۲] ❁ دوپٹہ اوڑھنے کا مقصد:۔ بدن کی قدرتی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز عورت کے سینہ کا ابھار یا اس کے پستان ہیں۔ جو مرد کے لئے خاصی کشش رکھتے ہیں۔ لہٰذا سینہ کو ڈھانپنے کی بطور خاص تاکید فرمائی۔ اور جاہلیت کی رسم کو ختم کرنے کی صورت بھی بتادی۔ جاہلیت میں عورتیں اپنے خمار (دوپٹے) سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں۔ اس طرح سینہ پر کوئی چیز نہ ہوتی تھی اور یہ بھی گویا حسن کا مظاہرہ یا نمائش تھی۔ اور آج کی مہذب سوسائٹی میں اول تو ہماری یہ مہذب عورتیں دوپٹہ لینا گوارا ہی نہیں کرتیں اور اگر لیں تو دوپٹہ کو گلے میں ڈال کر اس کے پہلو پیچھے پشت پر ڈال دیتی ہیں۔ اس طرح سر اور سینہ دونوں ننگے رہتے ہیں۔ البتہ دوپٹہ کا نام ضرور بدنام کیا جاتا ہے۔ اور مقصود اس سے بھی سینہ کے ابھار کی نمائش اور مردوں کے لئے پرکشش بنے رہنا ہوتا ہے۔ گویا آج اس نئی روشنی اور ترقی میں پرانے دور جاہلیت سے بھی زیادہ جاہلیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے یہ طریقہ بتایا کہ دوپٹہ کو سر پر سے لا کر گریبان پر ڈالنا چاہئے اس طرح سر، کان، گردن، سینہ سب اعضاء چھپے رہتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مدینہ کی عورتوں نے اپنے تہبند (یعنی موٹا کپڑا) پھاڑ کر اس کی اوڑھنیاں بنالیں" (بخاری۔ کتاب التفسیر) گویا اس حکم پر انہوں نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ

شوہروں کے بیٹے[۴۲] (سوتیلے بیٹے) بھائی[۴۳]، بھتیجے[۴۳]، بھانجے[۴۳]، اپنے میل جول[۴۴] والی عورتیں، کنیزیں[۴۵] جن کی وہ

[۴۳] ۞ ابدی محرم رشتہ دار:۔ قرآن کریم میں اس مقام اور بعض دوسرے مقامات پر بارہ قسم کے لوگوں یا رشتہ داروں کا ذکر آیا ہے۔ جن سے حجاب کی ضرورت نہیں۔ البتہ ستر کے احکام بدستور برقرار رہیں گے۔ بالفاظ دیگر ان مذکورہ بارہ قسم کے لوگوں یا رشتہ داروں کے سامنے عورتیں اپنی زیب وزینت کا اظہار کر سکتی ہیں۔ ان میں آٹھ یہاں مذکور ہیں۔ اور یہ رشتہ دار ایسے ہیں جو ابدی طور پر محرم ہیں یعنی خاوند، باپ، سسر، حقیقی بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے اور بھانجے۔ پھر ان میں وہ رشتہ دار بھی شامل ہو جاتے ہیں جو رضاعت کی بنا پر حرام ہوں مثلاً رضاعی باپ، رضاعی بھائی یا رضاعی بیٹے اور چچے وغیرہ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نساء کی آیت نمبر ۲۳ سے استشہاد کر کے نسب اور رضاعت کو ایک ہی سطح پر رکھ کر فرمایا کہ "جو رشتے نسب کے لحاظ سے حرام ہیں وہی رضاعت کے لحاظ سے بھی حرام ہیں" (بخاری۔ کتاب الشہادات۔ باب الشهادة على الانساب والرضاع)

[۴۴] ۞ غیر عورتوں اور ہیجڑوں سے بھی حجاب کا حکم:۔ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اَوْ نِسَآئِهِنَّ (یا اپنی عورتوں سے بھی اظہار زیب وزینت میں کوئی حرج نہیں) یہ نویں قسم ہوئی اور اپنی عورتوں سے مراد آپس میں میل ملاقات رکھنے والی مسلمان عورتیں ہیں جو ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتی پہچانتی اور ایک دوسرے پر اعتبار رکھتی ہوں۔ رہی دوسری غیر مسلم، مشتبہ اور ان جانی عورتیں تو ایسی عورتوں سے اپنی زیب وزینت چھپانے اور حجاب کا ایسا ہی حکم ہے۔ جیسے غیر مردوں سے ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عورتیں ہی ہوتی ہیں جو قحبہ گری کی دلالی بھی کرتی ہیں۔ نوخیز اور نوجوان لڑکیوں کو اپنے دام تیزویر میں پھنسا کر غلط راہوں پر ڈال کر شیطان کی پوری نمائندگی کرتی ہیں۔ اور ایک گھر کے بھید کی باتیں دوسرے گھر میں بیان کر کے فحاشی پھیلاتی اور اس کی راہیں ہموار کرتی ہیں۔ ایسی بدمعاش قسم کی عورتوں سے پرہیز کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا تمام ان جانی اور غیر مسلم عورتوں یا غیر عورتوں سے بھی حجاب کا حکم دیا گیا۔ بلکہ ایسی عورتوں کو گھروں میں داخلہ پر بھی ایسے ہی پابندی لگانا ضروری ہے جیسے غیر مردوں کے لئے ضروری ہے۔

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیجڑوں، مخنث، یا زنانہ وضع قطع رکھنے والے مردوں سے بھی حجاب کا حکم دیا ہے۔ دور نبوی کا ایک واقعہ ہے کہ آپ ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے۔ گھر میں ایک ہیجڑا تھا۔ وہ سیدہ ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن ابی ربیعہ سے کہنے لگا: اگر اللہ نے کل طائف فتح کرا دیا تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی کی نشاندہی کروں گا وہ اگر سامنے آتی ہے تو چار سلوٹ لے کر اور پیٹھ موڑتی ہے تو آٹھ سلوٹ لے کر (یعنی اس کا بدن خوب گٹھا ہوا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن لی تو فرمایا: یہ ہیجڑا آئندہ کبھی تمہارے ہاں نہ آیا کرے" (بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب ماینهى من دخول المشتبهين بالنساء على المرأة)

یہ مخنث (خسرا، ہیجڑا یا زنانہ) چونکہ عورتوں کے امور سے دلچسپی رکھتا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس سے حجاب کا حکم دیا اور داخلہ پر پابندی لگا دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاۗىِٕكُمْ ۭ اِنْ

مالک ہوں[۴۵]۔ اپنے خادم مرد[۴۶] جو عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں اور ایسے لڑکے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے[۴۷] ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ اور اپنے پاؤں زمین پر مارتے ہوئے[۴۸] نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے اور اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کے حضور[۴۹] توبہ کرو توقع ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔(۳۱) اور تم میں سے جو لوگ مجرد[۵۰] ہیں ان کے نکاح کر دو۔ اور اپنے لونڈی، غلاموں کے بھی

[۴۵] دسویں قسم جن میں اپنی زیب و زینت چھپانے میں کوئی حرج نہیں وہ عورتوں کی اپنی کنیزیں ہیں۔ جن کی وہ خود یا ان کے خاوند مالک ہوں۔

[۴۶] ۞ اپنے خادموں سے بے حجاب ہونے کی مشروط اجازت:۔ تابعین سے مراد مطیع و منقاد۔ نوکر چاکر اور شاگرد قسم کے لوگ ہیں۔ یہ گیارہویں قسم ہوئی۔ مگر ایسے لوگوں سے زیب و زینت کے اظہار کی رخصت صرف اس صورت میں ہے کہ انہیں ہمبستری کی خواہش ہی نہ ہو۔ اور خواہش کا نہ ہونا یا شہوانی جذبات کا بیدار نہ ہونا بچپن کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ زیادہ بڑھاپے کی وجہ سے بھی۔ بیماری یا نامردی کی وجہ سے بھی اور مالک کی عزت اور وقار کی وجہ سے بھی یعنی یہ خدام اپنی مالکہ سے ایسی بات کا تصور تک بھی نہ کر سکتے ہوں اور اپنے کام سے ہی غرض رکھیں اور اگر یہ خطرہ ہو کہ ایسے لوگوں کے شہوانی جذبات کسی وقت بھی بیدار ہو سکتے ہیں تو پھر ان سے یہ رخصت ختم ہو جاتی ہے۔ ان پر حجاب کے احکام لاگو ہو جاتے ہیں اور ان کے سامنے اظہار زیب و زینت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا ایسے جوان ڈرائیور، خانساماں، اور بیرے وغیرہ سے حجاب کی رخصت کی کوئی گنجائش نہیں، بالخصوص اس صورت میں کہ ان کی شادی بھی ابھی نہ ہوئی ہو۔

[۴۷] بچوں اور لڑکوں سے یہ رخصت اس وقت تک ہے جب تک وہ بالغ نہ ہوئے ہوں یعنی دس گیارہ سال تک کے بچوں کے سامنے تو عورت بے حجاب رہ سکتی ہے بعد میں نہیں۔ پس یہ بارھویں قسم ہوئی۔

[۴۸] ۞ چال پر پابندی:۔ یعنی عورتیں اس انداز سے اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں یا رکھ کر نہ چلیں کہ ان کے زیوروں کی جھنکار سنائی دینے لگے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے کیا کچھ زیور پہن رکھے ہیں۔ اگر وہ ایسے ہی چھن چھن کرتے ہوئے چلے گی تو کیا معلوم اس کا پاؤں زمین پر پڑنے کے ساتھ ساتھ کسی عاشق مزاج کے دل پر بھی جا پڑے۔ اس قسم کی آواز بسا اوقات صورت دیکھنے سے بھی زیادہ شہوانی جذبات کو بھڑکانے کا سبب بن جاتی ہے۔

[۴۹] دور جاہلیت میں اور بالخصوص انکے مشہور میلوں کے موقع پر جس قدر فحش حرکات تم سے سرزد ہو چکی ہیں۔ ان سے اللہ کے حضور توبہ کرو۔ مرد ہوں یا عورتیں سب کے سب لوگوں کو سابقہ اطوار چھوڑ کر آئندہ ان باتوں اور ایسی حرکتوں سے کلی اجتناب کرنا چاہئے اسی طرح تمہارا معاشرہ فواحش سے پاک ہو سکتا ہے اور تمہاری دین و دنیا میں کامیابی کا انحصار ان باتوں پر پوری طرح عمل پیرا ہو جانے پر ہے۔

[۵۰] ۞ ایامیٰ کا لغوی مفہوم:۔ معاشرہ کے فواحش سے طہارت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تم میں سے کوئی فرد خواہ وہ مرد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہو یا عورت بے زوج نہ رہے۔ ایسے سب افراد کے نکاح کر دو۔ ایامٰی ایّم کی جمع ہے اور یہ بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد وہ مرد بھی ہیں جن کی بیوی یا بیویاں فوت ہو چکی ہوں یا طلاق دے چکے ہوں اور مجرد رہتے ہوں اور وہ عورتیں بھی جو بیوہ ہوں یا مطلقہ ہوں اور مجرد رہتی ہوں۔ نیز ان میں وہ کنوارے مرد اور کنواری عورتیں بھی شامل ہیں جن کی بلوغت کے بعد تادیر شادی نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا اس لفظ کا معنی مجرد رہنا ہی قریب الفہم ہے۔ ایسے ہی مجرد افراد کے اولیاء کو یہ حکم دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: علی! تین کاموں میں دیر نہ کرنا، فرض نماز، جب اس کا وقت ہو جائے۔ جنازہ جب موجود تو اسے دفن کرنے میں اور بیوہ عورت کے نکاح میں جب کہ اس کا کفو (بر ہمسر) مل جائے" (ترمذی۔ ابواب الصلوۃ۔ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل)

۞ مجرد افراد کے نکاح کا حکم:۔ ہمارے معاشرے میں عام طور مجرد مردوں یا مجرد عورتوں کے نکاح کو معیوب سمجھا جانے لگا ہے۔ اور کوئی فرد ہمت کر کے نکاح کر بھی لے تو اسے طعن و تشنیع کی جاتی ہے یا کم از کم اس کے اس کام پر ناک بھوں ضرور چڑھاتے ہیں کہ جب اس کے ہاں اولاد موجود ہے تو اسے نکاح کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا یہ رویہ آیات اللہ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ اس رواج کی کئی وجوہ ہیں۔ سب سے بڑی وجہ تو مغربی تہذیب سے مرعوبیت ہے۔ جہاں یک زوجگی کا قانون رائج ہے۔ فحاشی اور حرام کی سب راہیں کھلی ہیں اور یہ لوگ یہاں بھی یہی کچھ چاہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ اولاد اپنے مجرد باپ یا بیوہ ماں کے نکاح میں آڑے آتی ہے۔ اور اس کا بڑا سبب عموماً یہ ہوتا ہے کہ اگر اولاد پیدا ہوئی تو وہ وراثت میں شریک بن جائے گی۔ یا پھر جھوٹی قسم کی غیرت ہوتی ہے اس کی تیسری وجہ خاندانی منصوبہ بندی والوں کا پروپیگنڈہ ہے۔ اور اسی وجہ سے بلوغت کے بعد تادیر مجرد رہنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ یہ سب وجوہ مل کر ایک ایسا ماحول بن گیا ہے۔ جس میں حرام کاموں کے لئے تو سب سہولتیں میسر ہیں۔ مگر حلال کاموں پر عمل پیرا ہونا بہت مشکل بنا دیا گیا ہے۔

ضمناً اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت خواہ کسی عمر کی ہو اس کا ولی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا۔ اور یہ بات احادیث میں پوری وضاحت سے مذکور ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کوئی بھی عورت جو ولی کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ تو اس کا نکاح باطل ہے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ (ترمذی۔ ابواب النکاح۔ باب لانکاح الا بولی) لہٰذا اولیاء کو یہی حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ مجرد لوگوں کے نکاح کریں۔

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں امر کا صیغہ وجوب کے لئے نہیں ہے یعنی معاشرہ یا اسلامی حکومت یا اولیاء پر یہ واجب نہیں کہ معاشرہ کا جو فرد بھی مجرد ہو اس کو پکڑ کر اس کا نکاح کرا دے۔ بلکہ یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ کیونکہ نکاح میں کچھ رکاوٹیں بھی ہو سکتی ہیں مثلاً جوڑ کا رشتہ نہ ملنا یا تنگدستی وغیرہ۔ البتہ معاشرہ کے افراد کے لئے بہتر بات یہی ہے کہ وہ مجرد لوگوں کے نکاح کے سلسلہ میں حتی الامکان تعاون کریں۔ اور جن لوگوں کے حالات نکاح کے لئے سازگار نہ ہوں انہیں آپ ﷺ نے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کچھ جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے اور (نکاح کے لئے) ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ تو آپ نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ اے نوجوانو! تم میں سے جو کچھ خانہ آبادی کی استطاعت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح نگاہ نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کے لئے خوب چیز ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھا کرے۔ روزے اس کی شہوت کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ڈھال کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ
نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ

جو نکاح کے قابل[۵۱] ہوں۔ اگر وہ محتاج ہیں تو اللہ اپنی مہربانی[۵۲] سے انہیں غنی کر دے گا۔ اور اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔(۳۲) اور جو لوگ نکاح (کا سامان) نہیں پاتے انہیں (زنا وغیرہ) سے بچے رہنا چاہیئے تا آنکہ اللہ انہیں اپنے فضل سے[۵۳] غنی کر دیں اور تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ

کام دیں گے۔ (بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم)

نیز سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون ؓ کو تبتل (مجرد یا عورت سے الگ تھلگ رہنے) کی اجازت نہ دی۔ اگر آپ اسے اجازت دے دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔ (بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب مایکرہ من التبتل والخصاء)

[۵۱] لونڈی اور غلاموں کے ذکر میں صالحین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو یہاں دو مطلب ادا کر رہا ہے۔ ایک یہ کہ ان میں ازدواجی زندگی کو نباہنے کی صلاحیت موجود ہو۔ ایسا نہ ہو کہ نکاح کے بعد وہ ڈھیلے پڑ جائیں اور ان کا سارا بوجھ مالک پر پڑ جائے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نیک ہوں اور پاک سیرت رہنا چاہتے ہوں اور فحاشی اور بدکاری سے بچنا چاہتے ہوں۔ جو بھی صورت ہو ان کے مالکوں کو چاہئے کہ ان کے نکاح کے لئے ممکن حد تک کوشش کریں۔

[۵۲] ۞ رزق کی تنگی ترشی کا انحصار نکاح پر نہیں:۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو بھی محتاج شادی کرے گا شادی کے بعد وہ مالدار اور غنی ہو جائے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی نظر ظاہری اسباب تک محدود رہتی ہے۔ اور وہ انہیں ظاہری اسباب کو سامنے رکھ کر حساب لگاتا ہے۔ جبکہ اس کائنات میں ظاہری اسباب کے علاوہ بے شمار باطنی اسباب بھی موجود ہیں۔ جن پر انسان مطلع نہیں ہو سکتا اور وہ اسباب خالصتاً اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اس وجہ سے نکاح میں پس و پیش کرتے ہیں کہ نکاح کے بعد بیوی بچوں کا بوجھ کیسے برداشت کریں گے۔ انہیں سمجھا دیا گیا کہ ایسے موہوم خطرات کی بنا پر نکاح سے مت رکو۔ تمہارا اور تمہارے بال بچوں کا رزق اللہ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تم مجرد رہ کر غنی بن جاؤ گے یا نکاح کے بعد مفلس و قلاش ہو جاؤ گے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان نکاح کے بعد احساس ذمہ داری کی وجہ سے پوری طرح محنت کرنے لگتا ہے جو پہلے نہیں کرتا تھا۔ کبھی بیوی اس کے کسبِ معاش کے سلسلہ میں اس کی مدد و معاون بن جاتی ہے۔ کبھی بیوی کے کنبہ والے اس سلسلہ میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ کبھی مرد کے لئے کمائی اور آمدنی کی ایسی راہیں کھل جاتی ہیں جس کا اسے پہلے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا گویا پیدا ہونے والے بچے اپنا رزق اپنے ساتھ لاتے ہیں جس کا ذریعہ ان کا والد بنتا ہے۔ لہٰذا یہ یقین رکھو کہ رزق کی تنگی اور فراخی کا انحصار نہ نکاح کرنے پر ہے اور نہ مجرد رہنے پر۔ لہٰذا اس بنا پر نکاح سے گریز نہ کرنا چاہئے۔

[۵۳] اس آیت سے پہلی آیت کے حاشیہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ جو جوان مرد نکاح اور خانہ آبادی کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے رکھنے کی تلقین فرمائی اور واضح فرما دیا کہ روزے رکھنا تمہارے عفیف اور پاکیزہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ

مکاتبت[۵۴] کرنا چاہیں تو اگر تم ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے مکاتبت کر لو۔ اور اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دیا[۵۵] ہے انہیں بھی دے دو۔

اور تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہیں تو انہیں[۵۶] اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر بدکاری پر مجبور نہ کرو۔

رہنے میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی ضبطِ نفس اور عفت کی برکت سے انہیں نکاح کا بہترین موقع مہیا فرما دے اور انہیں غنی بھی کر دے۔ کہ معاشرہ میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خود تو غنی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی بیٹیوں کے رشتہ کے سلسلہ میں ایسا جوڑ چاہتے ہیں جو شریف، نیک اور پاکیزہ سیرت انسان ہو۔ اور وہ اپنی بیٹی کی غربت کا خیال اس لئے نہیں کرتے کہ اس جوڑے کی غربت کا علاج ان کے پاس موجود ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ کے فضل کی بے شمار راہیں ہیں۔ انسان کو بس اس کا فرمانبردار بن کر رہنا چاہئے۔

[۵۴] واضح رہے کہ عہدِ نبوی میں معاشرہ کا ایک کثیر حصہ غلاموں اور لونڈیوں پر مشتمل تھا۔ اور یہ معاشرہ کا جزو لاینفک بن چکا تھا۔ کسی شخص کی دولت کا معیار ہی یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے پاس کتنے غلام ہیں۔ گویا یہ غلام ان آزاد لوگوں کی آمدنی کا ذریعہ بنتے تھے۔ منڈیوں میں غلاموں کی آزادانہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ جیسے ہمارے ہاں بھیڑوں اور گائے بھینسوں کی ہوتی ہے۔ اسلام نے اس غلامی کے رواج کو سخت ناپسندیدہ سمجھا۔ غلاموں کی آزادی کے لئے ہر ممکن صورت اختیار کی لیکن شراب اور سود کی طرح اس کا کلی طور پر خاتمہ نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ تا قیامت جنگیں ہوتی رہیں گی اور قیدی بنتے رہیں گے۔ ایسے مواقع پر ایک غیر مسلم حکومت کے فوجی مفتوح قوم کی عورتوں پر جس طرح کی دست درازیاں کرتے اور ظلم و ستم ڈھاتے ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اسلام ایسی فحاشی اور ایسے مظالم کو حرام قرار دیتا ہے اور اس کے بجائے ملک یمین کی حلال راہیں کھولتا ہے۔ اسی اعلیٰ اخلاقی قدر کی بنا پر اسلام نے جنگی قیدیوں اور ملک یمین کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں کیا۔ اسلام نے غلامی کے رواج کی حوصلہ شکنی کے لئے بہت سے گناہوں کا کفارہ غلام کی آزادی قرار دیا۔ زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف یہ بھی فرمایا۔ مسلمانوں کو بہت بڑے اجر کا وعدہ فرما کر غلاموں کو آزاد کرنے اور کرانے کی ترغیب دی۔ غرض یہ باب بھی بڑا طویل ہے۔ ایسے ہی ذرائع میں سے مکاتبت بھی غلاموں کی آزادی کا ایک ذریعہ ہے۔ مکاتبت کا لغوی معنی تو باہمی تحریر یا لکھا پڑھی ہے۔ اور اصطلاحاً اس سے مراد وہ (تحریری یا زبانی) معاہدہ ہے جو غلاموں کی آزادی کے سلسلہ میں مالک اور غلاموں کے درمیان باہمی رضامندی سے طے ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ غلام یہ وعدہ کرے کہ میں اتنی رقم اتنی مدت کے بعد یا مدت کے اندر یکمشت یا بالاقساط ادا کروں گا اگر کوئی غلام اپنے مالک سے ایسی درخواست کرے تو مالک کو ایسی درخواست قبول کر لینا چاہئے۔ اس معاہدہ پر مزید کسی شرط کے اضافہ کی مالک کے لئے گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہے:

عمرہ بنت عبدالرحمٰن کہتی ہیں کہ: بریرہ لونڈی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی وہ اپنی کتابت کے سلسلہ میں سیدہ عائشہؓ سے مدد چاہتی تھی۔ انہوں نے کہا: ''اگر تو چاہے تو میں تیرے مالکوں کو رقم ادا کر دیتی ہوں مگر ولاء (تیرا ترکہ) میرا ہوگا'' اور اس کے مالکوں نے اسے کہا: اگر تو چاہے کتابت کی بقایا رقم دے دے پھر خواہ وہ تجھے آزاد کر دیں۔ مگر اس کا ترکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہم ہی لیں گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بریرہ کو خرید کر آزاد کر دو۔ اور ترکہ تو اسی کا ہوتا ہے جو آزاد کرے'' پھر آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں۔ اور ایسی شرطیں جو اللہ کی کتاب میں نہ ہوں۔ خواہ کوئی سو شرطیں لگائے اسے کچھ بھی نہ ملے گا'' (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب ذکر البیع والشراء علیٰ منبر المسجد)

۞ اگر غلام مالک سے مکاتبت کرنا چاہے تو اسے مان لینا چاہئے:۔ مالک کے لئے یہ امر وجوب کے لئے ہے۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ مالک اگر چاہے تو غلام کی مکاتبت کی درخواست کو قبول کرے اور چاہے تو نہ کرے اور مالک مکاتبت پر رضامند نہ ہو تو اسے اسلامی حکومت کی طرف سے ایسے معاہدہ کے لئے مجبور کیا جائے۔ البتہ ایسی مکاتبت کے لئے ایک شرط اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتا دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مالک اپنی دیانتداری کے ساتھ اپنے لالچ کے بغیر یہ سمجھے کہ یہ آزادی فی الواقع غلام یا لونڈی کے حق میں بہتر نہ ہو گی۔ قید غلامی سے رہا ہو کر وہ چوری، بدکاری یا اور طرح طرح کی بدمعاشیاں نہ کرتا پھرے گا۔ اگر یہ اطمینان ہو تو اسے ضرور آزاد کر دینا چاہئے۔ کہ وہ آزاد ہو کر معاشرہ میں اپنا مقام پیدا کر سکے اور اگر نکاح کرنا چاہے تو اپنے اختیار سے کر سکے۔ نیز کسی بھی میدان میں غلامی کی وجہ سے اس کے لئے میدان تنگ نہ ہو۔ یا پھر خیر کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آیا وہ اپنے اس عہد کو نباہ بھی سکتا ہے یا نہیں یعنی اپنے معاوضہ کی رقم ادا کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔

[۵۵] ۞ مکاتب کی مالی امداد:۔ اس جملہ کے مخاطب عام افراد معاشرہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ مکاتبت کرنے والے غلام کی رقم کی ادائیگی کے سلسلہ میں اس کی مالی امداد کریں۔ غلاموں کے مالک بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ طے شدہ رقم کا کچھ حصہ چھوڑ دیں اور اسلامی حکومت بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے شخص سے زکوٰۃ فنڈ میں سے مالی تعاون کریں۔

[۵۶] غلام اور لونڈیوں کو اہل عرب اپنی آمدنی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ جتنے کسی کے پاس زیادہ غلام ہوتے اتنا ہی وہ زیادہ مالدار ہوتا جاتا تھا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے آج کل ایک کارخانہ میں دس مزدور کام کرتے ہیں اور دوسرے میں پچاس۔ تو پچاس مزدوروں والے کارخانہ کا مالک یقیناً پہلے سے بہت زیادہ مالدار ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں بعض بدباطن اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے اپنی لونڈیوں سے پیشہ بھی کرواتے تھے۔ اور عبداللہ بن ابی منافق رئیس المنافقین اس سلسلہ میں بہت مشہور تھا۔ اس کی بعض لونڈیاں مسلمان ہو گئیں تو انہوں نے پیشہ کرنے سے انکار کر دیا جس پر وہ ملعون انہیں زدوکوب کرتا تھا۔ یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی۔ (مسلم۔ کتاب التفسیر عن جابر)

زنا بذاتِ خود ایک حرام اور مذموم فعل ہے۔ ان دو جملوں نے زنا کی قباحت میں مزید اضافہ کر کے ایسی حرکت کو شدید ترین جرم بنا دیا ہے۔ یعنی اگر لونڈیاں پاک دامن نہ رہنا چاہیں تو بھی زنا حرام اور مذموم ہے اور اگر وہ پاک دامن بھی رہنا چاہتی ہوں پھر جبراً ان سے یہ کام کروایا جائے تو یہ شدید جرم بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی فرد کسی لالچ کے بغیر زنا کرتا ہے یا کرواتا ہے تو بھی اس کی حرمت اور مذمت بدستور قائم ہے۔ پھر یہ کام جب محض دنیا کے حقیر فائدے کے خاطر کر لیا جائے تو اس جرم کی شدت اور شناعت مزید بڑھ جاتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾
وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع
اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ

اور جو کوئی انہیں مجبور کرے[۵۷] تو ان پر جبر کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں بخش دینے والا اور رحم کرنے والا ہے۔(۳۳) ہم نے تمہاری طرف واضح احکام بتانے والی آیات بھی نازل کی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں[۵۸] بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحتیں بھی نازل کر دی ہیں۔(۳۴)

اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور[۵۹] ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ ہو،

[۵۷] یعنی جس کو بدکاری پر مجبور کر دیا گیا ہو۔ اللہ اسے اس کا یہ گناہ معاف فرمائے گا۔ بلکہ اس کا یہ گناہ جبر کرانے والے کے گناہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ اور ترمذی کے حوالہ سے یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جس عورت سے بالجبر زنا کیا گیا تھا اس سے حد زنا ساقط کر دی گئی تھی۔

[۵۸] واضح احکام سے مراد وہ تمام احکام ہیں جو ابتدائے سورہ نور سے بیان ہو رہے ہیں یعنی زنا اور قذف کی حد۔ لعان کا طریقہ۔ معاشرہ کو فحاشی سے پاک رکھنے کے لئے احکام و ہدایات وغیرہ۔ اور پہلے لوگوں کی مثالیں بیان کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم سے پہلے جن جن لوگوں نے اللہ کے احکامات سے سرتابی کی تو ایسی قوموں کا کیا حشر ہوا۔ اور ان کا یہ حشر بھی پہلے متعدد مقامات پر مذکور ہو چکا ہے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ان سابقہ نظائر میں بہت سے نصیحت آموز اسباب موجود ہیں۔

[۵۹] قرآن میں عموماً جہاں کہیں بھی آسمانوں اور زمین کا اکٹھا ذکر آیا ہے وہاں اس سے مراد پوری کائنات ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا نور ہے یا پوری کائنات کو روشن کرنے والا ہے۔

❁ نور کی اقسام:۔ نور تین قسم کا ہوتا ہے (۱) روشن چیزوں کا نور مثلاً سورج، چاند، ستاروں اور چراغ یا برقی قمقموں کا نور۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ ایسے نور کے بغیر انسان ظاہری چیزوں کو دیکھ نہیں سکتا۔ (۲) آنکھ کا نور جس کی عدم موجودگی میں روشن چیزوں کا نور بے کار ہوتا ہے۔ سورج نکلا ہوا ہو تب بھی آنکھ کے اندھے کو کوئی چیز نہیں نظر آتی۔ (۳) وحی یا علم دین کا نور جس کی عدم موجودگی میں انسان ہدایت کے نور سے استفادہ نہیں کر سکتا جس طرح ایک اندھا سورج کی روشنی میں بھی ظاہری اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا اسی طرح دل کے اندھے کے لئے تعلیمات الٰہیہ بے کار ثابت ہوتی ہیں۔ اب دیکھئے آنکھ کا نور بھی خالصتاً اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ اس کی ماہیت کیا ہے؟ یہ بات سمجھنا غالباً انسان کی بساط سے باہر ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کا نور بصارت چھین لے تو کوئی طاقت اسے واپس نہیں لا سکتی۔ اور اسی آنکھ کے نور سے ہم کائنات کی اشیاء کو دیکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا اصل منبع نور خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہوئی اور اسی کے نور سے کائنات کی ایک ایک چیز کی نمود ہے۔

اور دوسری طرف دل کا نور بھی خالصتاً اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور اسی نور سے انسان آیات انفس و آفاق میں فکر و تدبیر کرتا ہے اور وحی الٰہی سے فیض یاب ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جس شخص کو نور و ہدایت حاصل ہوا یا جس مقدار میں حاصل ہوا سب کچھ اسی منبع نور سے حاصل ہوا ہے۔ بعض علماء نے یہاں نور کے معنی منور کیا ہے۔ اس لحاظ سے پہلی توجیہ فٹ بیٹھتی ہے لیکن نور کا لفظ منور سے زیادہ ابلغ ہے۔ پھر نور کا لفظ ہر دو توجیہات کے مطابق ہے۔ لہٰذا ہمارے خیال میں نور کا معنی نوریا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ

یہ چراغ فانوس میں رکھا ہوا ہو، وہ فانوس ایسا صاف شفاف ہو جیسے ایک چمکتا ہوا ستارہ۔ اور وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ مشرق میں ہوتا ہے اور نہ مغرب میں۔ اس کے تیل کو اگر آگ نہ بھی چھوئے تو بھی وہ از خود بھڑک اٹھنے کے قریب ہوتا ہے (اس طرح) روشنی پر روشنی[۶۰] (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں) اللہ اپنے ایسے ہی نور کی طرف جسے چاہتا ہے، رہنمائی[۶۱] کر دیتا ہے۔ اور اللہ مثالیں بیان کر کے لوگوں

روشنی ہی سمجھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

[۶۰] ❁ اللہ ہی کائنات کا نور ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نور کی جو مثال بیان فرمائی ہے۔ اس کی مندرجہ بالا دو توجیہات کے مطابق دو صورتیں ہیں۔ پہلی توجیہ کے مطابق یہ پوری کائنات ایک طاق کی مانند ہے۔ اور اس میں جس چراغ کی روشنی کی مثال پیش کی گئی ہے وہ اللہ کا نور ہے۔ باقی جو باتیں مذکور ہیں وہ اس لحاظ سے ہیں کہ ایک انسان زیادہ سے زیادہ اور صاف شفاف روشنی کا جو تصور اس دور میں کر سکتا تھا وہ پیش کیا گیا ہے مثلاً ایک یہ ہے کہ وہ چراغ ایک طاق میں ہے جس کا مطلب یہ ہے روشنی کے پھیلاؤ کا دائرہ وسیع نہیں بلکہ بہت محدود حصہ میں ہے تاکہ طاق میں پڑی ہوئی ہر چیز بڑی واضح اور نمایاں نظر آسکے۔ دوسرے یہ کہ اس چراغ میں جلنے والا تیل زیتون کا تیل ہے۔ جو دوسرے تمام قسم کے تیلوں سے زیادہ اور صاف روشنی دیتا ہے۔ مزید یہ کہ وہ زیتون کا درخت ہر وقت دھوپ میں رہتا ہے۔ مشرقی اور مغربی رخ کے سائے اس درخت پر نہیں پڑتے اور ایسے ہمیشہ دھوپ میں رہنے والے درخت کا تیل عام درختوں کے تیل سے زیادہ لطیف ہوتا ہے نیز اس میں یہ خاصیت ہے کہ آگ لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ آگ نزدیک ہونے سے ہی بھڑک اٹھتا ہے۔ جیسا کہ آج کل پٹرول میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے۔ اور تیسرے یہ کہ اس چراغ کے گرداگرد نہایت صاف شفاف شیشہ یا فانوس ہے۔ اور ایسے فانوس سے جس قدر روشنی میں اضافہ ہوتا ہے اس کا اندازہ آپ کسی لالٹین سے اس کی شیشہ کی چمنی اتار کر سکتے ہیں۔ گویا چراغ کی روشنی کو سہ بالا یا نور علی نور کرنے والی تین چیزیں ہوئیں۔ ایک تیل کی اعلیٰ کوالٹی، دوسرے صاف شفاف فانوس اور تیسرے روشنی کا دائرہ بہت محدود ہونا اور مثال کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایسی روشنی سے کائنات کی ایک ایک چیز کو منور کر رہا ہے۔

❁ نورِ ایمانی کی وحی الٰہی کیلئے بے تابی:۔ اور دوسری صورت میں چراغ اور اس کے تیل سے مراد نور بصیرت یا نور ایمان ہے۔ فانوس سے مراد انسان کا دل ہے۔ جس میں یہ نور بصیرت واقع ہوتا ہے اور طاق سے مراد اس کا جسم ہے۔ پھر جب ہدایت یا آیات الٰہی پہنچتی ہیں تو ایسے شخص کی بصیرت اس کو قبول کرنے کیلئے پہلے ہی بے تاب ہوتی ہے۔ اب اگر کسی کے دل میں نور بصیرت ہوگا۔ جس کا منبع خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تو ایسے ہی شخص کو یہ آیات فوراً اپیل کرتی اور نظر آنے لگتی ہیں۔ بے بصیرت کو نظر نہیں آتیں۔ یہ دوسری توجیہ کتاب و سنت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اکثر آسمانی کتب کیلئے بھی نور کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور علم وحی اور ہدایت کیلئے بھی۔ اور اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی کے دل میں نور بصیرت کا عطیہ موجود ہوتا ہے وہ احکام الٰہی اور وحی الٰہی کو قبول کرنے کیلئے اس قدر بے تاب ہوتا ہے جیسے پٹرول آگ پکڑنے کیلئے بے تاب ہوتا ہے۔

[۶۱] جس طرح آنکھ کا نور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو فطری طور پر عطا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کو نور بصیرت بھی عطا کرتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا
بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۙ

کو سمجھاتا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔(۳۵) (یہ) ان گھروں (مساجد وغیرہ) میں ہوتے ہیں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان میں اللہ کا نام بلند کیا جائے اور ان کا ذکر کیا جائے[۶۲] ان (مساجد) میں صبح وشام ایسے لوگ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔(۳۶) انہیں اللہ کے ذکر، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت،

ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا ایک دوسرا قانون یہ ہے کہ جس عضو یا قوت سے انسان کام لینا چھوڑ دے وہ قوت اس سے چھین لی جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ہدایت نصیب انہی لوگوں کو ہوتی ہے جو خود بھی اس سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں اور جو شخص نور ہدایت کا طالب ہی نہ ہو تو اللہ زبردستی سے کسی کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

[۶۲] بعض علماء نے یہاں بیوت سے مراد مساجد لی ہیں اور ترفع سے مراد انہیں تعمیر کرنا لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے نورِ بصیرت عطا کیا ہوتا ہے اور وہ ہر وقت حق کے متلاشی رہتے ہیں اور جب انہیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو وہ انہیں تسلیم کرنے کیلئے پہلے سے ہی تیار بیٹھے ہوتے ہیں ایسے لوگ مساجد میں پائے جاتے ہیں۔ انہیں دیکھنا ہو تو اللہ کی مساجد میں دیکھو جہاں ہر وقت اللہ کا ذکر بلند ہوتا رہتا ہے۔ اور صبح وشام وہاں ایسے لوگ نمازوں اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے ہیں۔

اگرچہ یہ توجیہ بھی درست ہے مگر یہاں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جس کی بنا پر بیوت کے لفظ کو صرف مساجد تک محدود کر دیا جائے لہٰذا اکثر علماء کے نزدیک بیوت سے مراد سب مومنوں کے گھرانے ہیں۔ اور ہر گھر میں اللہ کا ذکر بھی ہوتے رہنا چاہئے اور تسبیح و تہلیل بھی۔ حتیٰ کہ فرض نمازوں (یعنی جو نماز باجماعت ادا کرنا ضروری ہے جنہیں ہم اپنی زبان میں ہر نماز کی فرض رکعات کہتے ہیں) کے علاوہ نماز کا باقی حصہ سنت یا نفلی نمازیں بھی اپنے اپنے گھروں میں ادا کرنا بہتر ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص مساجد میں جانے سے معذور ہو تو وہ فرض نمازیں بھی گھر پر (اکیلے یا باجماعت) ادا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے:

۱۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب سے مجھے ہوش آیا میں نے اپنے والدین کو مسلمان ہی پایا۔ اور ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جس دن آپ ﷺ ہمارے ہاں نہ آئے ہوں۔ صبح وشام آپ دو وقت تشریف لاتے پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جی میں آیا تو انہوں نے اپنے صحن میں ایک مسجد بنائی وہ وہاں نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھتے۔ مشرکوں کی عورتیں کھڑی ہو کر سنا کرتیں ان کے بچے بھی سنتے اور تعجب کرتے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے رہتے ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک رونے والے آدمی تھے تو اپنی آنکھوں سے آنسو روک نہ سکتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مشرکین قریش سٹ پٹا گئے۔ (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب الاستلقاء فی المسجد ومد الرجل)

۲۔ گھروں میں نوافل کی ادائیگی:۔ محمود بن ربیع الانصاری کہتے ہیں کہ عتبان بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے تھے اور بدر کی جنگ میں شریک تھے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! میری بینائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن

وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جس میں دل اور آنکھیں[۶۳] الٹ جائیں گی(۳۷) (اور وہ لوگ یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ) جو عمل وہ کرتے رہے ہیں اللہ انہیں ان کا بہتر بدلہ دے اور اپنے فضل سے[۶۴]

بگڑ گئی ہے اور میں اپنی قوم کے لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا ہوں۔ جب مینہ برسے تو نالہ بہنے لگتا ہے جو میرے اور ان کے درمیان ہے۔ لہٰذا میں ان کی مسجد میں جا نہیں سکتا کہ ان کو نماز پڑھا سکوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ میرے ہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تو میں اس جگہ کو مسجد بنالوں" آپ ﷺ نے فرمایا: "اچھا میں انشاء اللہ یہ کام کروں گا" چنانچہ (دوسرے دن) صبح آپ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں دن چڑھے میرے ہاں آئے۔ آپ نے اندر آنے کی اجازت مانگی میں نے اجازت دی۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور بیٹھنے سے پہلے ہی پوچھا: "اپنے گھر میں کون سی جگہ پسند کرتے ہو جہاں میں نماز پڑھوں؟" عتبان نے آپ کو گھر کا ایک کونہ بتایا۔ آپ ﷺ وہاں کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہا ہم بھی کھڑے ہوئے اور صف باندھی آپ نے دو رکعت (نفل) پڑھ کر سلام پھیرا۔ پھر ہم نے حلیم تیار کر کے آپ ﷺ کو روک لیا۔ محلہ کے اور آدمی بھی گھر میں جمع ہو گئے۔ ان میں ایک آدمی کہنے لگے: مالک بن دُخیشن یا دُخشن کہاں ہے؟ کسی نے (عتبان سے) کہا: وہ تو منافق ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا" آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسا مت کہو۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے لا الہ الا اللہ کہتا ہے" عتبان کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ بظاہر تو ہم اس کی توجہ اور ہمدردی منافقوں کی طرف ہی دیکھتے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ عزوجل نے آگ کو اس شخص پر حرام کر دیا ہے جو خالصتاً اللہ کی رضامندی کے لئے لا الہ الا اللہ کہتا ہے" (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المساجد فی البیوت)

[۶۳] ان ہدایت یافتہ لوگوں کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ گھروں کے اندر بھی اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اور گھروں سے باہر بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ اپنے کام کاج یا کاروبار کرتے وقت بھی اللہ کی یاد ان کے دلوں میں موجود رہتی ہے جو انہیں اللہ کی نافرمانی والے ہر کام سے باز رکھتی ہے۔ وہ صرف اس چند روزہ زندگی کے فائدوں کے ہی طلب گار نہیں ہوتے بلکہ ان کی نگاہ آخرت کی ابدی زندگی پر جمی رہتی ہے اور اللہ کے حضور وہ اپنے اعمال کی جواب دہی سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ دن ہی اتنا سخت اور ہولناک ہوگا جس میں ہر شخص کا دل بھی بے قرار ہوگا اور آنکھیں بھی بے قرار ہوں گی۔ اور ان ہدایت یافتہ لوگوں کا بھی یہ حال ہوگا۔ کہ کبھی وہ اللہ کی رحمت کی امید لگائے ہوں گے اور اللہ کے عذاب سے اور اس کی گرفت سے ڈرنے لگیں گے۔ یہی حال آنکھوں کا ہوگا کبھی وہ دائیں طرف دیکھیں گی اور کبھی بائیں طرف تاکہ یہ دیکھیں کس جانب سے ان کا نامہ اعمال ان کے حوالہ کیا جاتا ہے۔

[۶۴] وہ لوگ اس توقع پر یہ سارے کام کرتے ہیں کہ اللہ کے ہاں اپنے ان عملوں کا بہتر بدلہ ملے۔ جو یقیناً انہیں مل جائے گا۔ اللہ صرف ان کے اعمال کا بہتر بدلہ ہی نہ دیں گے بلکہ اس کے علاوہ انہیں ایسی ایسی نعمتوں سے نوازیں گے جو اس وقت ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس شخص پر راضی اور خوش ہو جائیں تو اللہ کے ہاں کس چیز کی کمی ہے جو اسے نہ دے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۳۹ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ

زیادہ بھی دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے۔(۳۸) اور جو کافر ہیں ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹیل میدان میں کوئی سراب[۶۵] ہو جسے پیاسا پانی سمجھ رہا ہو حتیٰ کہ جب وہ اس سراب کے قریب آتا ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں پاتا۔ بلکہ اس نے اللہ کو وہاں موجود پایا جس نے اس کا حساب چکا دیا اور اللہ کو حساب چکانے میں دیر نہیں لگتی۔(۳۹) یا (پھر کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرے ہوں جسے موج نے ڈھانپ لیا ہو، پھر اس کے اوپر ایک اور موج ہو اور اس کے اوپر بادل ہو ایک تاریکی[۶۶] پر ایک اور تاریکی

[۶۵] ❁ سراب اور شراب کا لغوی فرق:۔ عربی زبان میں ہر مشروب یعنی پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں اور جو چیز بظاہر تو شراب نظر آئے مگر حقیقت اس کے برعکس ہو اسے سراب کہتے ہیں۔ پھر اس لفظ کا استعمال اس تودۂ ریت پر ہونے لگا جو دور سے ایک خاص زاویہ سے سورج کی روشنی میں ٹھاٹھیں مارتا پانی نظر آتا ہے مگر حقیقتاً وہاں پانی وانی کچھ نہیں ہوتا۔

❁ عام کافروں اور منافقوں کی مثال:۔ یہ مثال ایسے کافروں اور منافقوں سے تعلق رکھتی ہے جو فی الجملہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ نیک اعمال بھی بجا لاتے ہیں۔ خواہ وہ نمود و نمائش کے لئے ہوں پھر انہیں یہ توقع بھی ہوتی ہے کہ آخرت میں انہیں ان کا اجر ملے گا۔ اور چونکہ ان کے اکثر اعمال اللہ کی مرضی نہیں بلکہ ان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ جس طرح کسی ریگستان میں ایک پیاسا دور سے چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر اس کی طرف جاتا ہے تاکہ اس سے اپنی پیاس بجھائے۔ وہ پیاس کا مارا جب گرم ریت کا میدان طے کر کے دوڑتا ہوا وہاں پہنچتا ہے تو اسے وہاں کچھ نہیں ملتا۔ اور سخت مایوس اور درماندہ ہو جاتا ہے۔ یہی حال ایسے کافروں کا ہے۔ موت کا وقت ان کے لئے سراب ہے۔ اور وہ توقع لگائے بیٹھے ہیں کہ انہیں ان کے نیک اعمال کا بدلہ ملے گا۔ مگر کفر و نفاق اور شامتِ اعمال کی بنا پر انہیں وہاں کچھ بھی ان کے اعمال کا بدلہ نہ ملے گا۔ اور جس طرح پیاسے کو سراب تک پہنچنے میں تھکاوٹ اور گرمی کی شدت بھی جھیلنا پڑی تھی اس طرح ان لوگوں کو ان کے برے اعمال کا بدلہ جہنم کے عذاب کی صورت میں دیا جائے گا۔

[۶۶] یہ ان کافروں کی مثال ہے جو اپنے کفر میں پکے اور ہٹ دھرم ہیں۔ وہ صرف اللہ کی نافرمانی اور رسولوں کی تکذیب پر ہی اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ رسول اور مومنوں کو ایذائیں اور دکھ بھی پہنچاتے ہیں اور اللہ کی راہ روکنے کے لئے ہر وقت سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اس طرح ان کے کفر کا جرم شدید تر ہوتا جاتا ہے اور اس پر ان کے کفر کی کئی تہیں چڑھتی جاتی ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گہرے سمندر میں رات کے وقت سفر کر رہا ہو۔ موجوں پر موجیں اٹھ رہی ہوں اور اوپر گہرے بادل بھی چھائے ہوں۔ اس طرح تین چار طرح کی تاریکیاں مل کر ایک ایسا گھٹاٹوپ اندھیرا ہو جاتا ہے کہ اگر وہ شخص اپنا ہاتھ اپنی آنکھ کے سامنے لائے تو اپنے ہاتھ کو دیکھ بھی نہ سکے۔ کیا ایسے شخص سے توقع ہو سکتی ہے کہ سیدھی راہ پر اپنا سفر جاری رکھ سکے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۚ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا ۗ وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ﴿٤٠﴾
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي

چڑھی ہو اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے اور جسے اللہ روشنی نہ عطا کرے[۶۷]، اس کے لئے (کہیں سے بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)۔(۴۰) کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے (اور فضا میں) پر پھیلائے ہوئے[۶۸] پرندے بھی، یہ سب اللہ ہی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ہر مخلوق کو اپنی[۶۹] نماز اور تسبیح کا طریقہ معلوم ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ سب کچھ جانتا ہے۔(۴۱) نیز آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور اسی کی طرف سب کی بازگشت ہے۔(۴۲) کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ بادل کو

گا۔ اللہ تعالیٰ نے کفر کو ہمیشہ اندھیرے یا اندھیروں سے اور ہدایت کو روشنی سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس معاند اور ہٹ دھرم کا تو یہ حال ہے کہ اس پر ایسے اندھیروں کے کئی ردے چڑھے ہوئے ہیں پھر اسے بھلا راہ ہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔

[۶۷] یہ مضمون ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے شروع ہوا تھا اور یہ اس مضمون کا اختتام ہے۔ منبع ہدایت اور نور تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ پھر جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہی نہ کرے۔ بلکہ اللہ سے باغیانہ اور معاندانہ روش اختیار کرے۔ اسے ہدایت کی روشنی کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

www.KitaboSunnat.com

[۶۸] کافروں کی دو مثالیں بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے کائنات سے کچھ اپنی ایسی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ جن میں غور کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت یا نور ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ ان نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو فطری طور پر ایسا طریقہ سکھا دیا کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں اپنے پر کھولے ہوئے اور قافلہ کی صورت میں قطار در قطار اڑتے پھرتے ہیں۔ اور وہ زمین پر گر نہیں پڑتے۔ پھر بعض دفعہ وہ اڑتے اڑتے اپنے پروں کو سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ مگر گرتے پھر بھی نہیں۔ آخر ان پرندوں کو یہ طریقہ کس نے سکھایا؟ زمین کی کشش ثقل جو کاغذ کے ایک ہلکے سے پرزے کو اپنی طرح کھینچ لیتی ہے انہیں کیوں نہیں کھینچتی؟

[۶۹] ۞ کائنات کی ہر چیز کی نماز اور تسبیح:۔ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے قانون کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ جس کام پر اسے اللہ نے لگا دیا ہے بلا چون و چرا اس کو سرانجام دے رہی ہے۔ اور فطری قانون ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ ان سے سر مو تجاوز نہیں کرتی۔ ایسی اطاعت کو بھی ان کی نماز اور تسبیح کہا جا سکتا ہے۔ تاہم ان اشیاء کی نماز اور تسبیح اس کے علاوہ کچھ اور ہی چیز ہے جسے ہم انسان یا جن جو مکلف مخلوق ہیں، جان نہیں سکتے۔ اور تسبیح کرنے والی اشیاء اپنی نماز اور تسبیح اور اس کے طریق کار کو خوب جانتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۴۴ میں بتا دیا کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ

آہستہ آہستہ [۷۰] چلاتا ہے پھر بادل (کے اجزاء) کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر اسے تہ بہ تہ بنا دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے بارش کے قطرے ٹپکتے ہیں اور وہ آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت جو اس

[۷۰] مشکل یہ پیش آتی ہے کہ ہمارے علمائے ہیئت نے اللہ کی ہر نشانی میں کچھ ایسے طبعی قوانین دریافت فرما رکھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت کہیں کام کرتا نظر نہ آئے اور یہی قوانین سکولوں اور کالجوں میں بچوں کو پڑھائے جاتے ہیں۔ مثلاً بارش کے لئے دریافت کردہ طبعی قوانین یہ ہیں کہ سمندر پر سورج کی گرمی سے بخارات بن کر اوپر اٹھتے ہیں۔ پھر ہواؤں کا رخ ان بخارات کو کسی مخصوص سمت کی طرف اڑا لے جاتا ہے۔ تا آنکہ یہ بخارات کسی سرد منطقہ فضائی میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر یہ بخارات پھر پانی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور بارش ہونے لگتی ہے اور اگر شدید سرد منطقہ میں پہنچ جائیں تو پھر اولے برسنے لگتے ہیں انہی اصولوں کے مطابق ہمارے ہاں پاکستان میں بارش یوں ہوتی ہے کہ جون جولائی کے گرم مہینوں میں بحیرہ عرب سے بخارات اٹھتے ہیں جو کوہ ہمالیہ سے آکر ٹکراتے ہیں یہاں ہوائیں پھر ان کا رخ پاکستان کی طرف موڑ دیتی ہیں اور وہ اس پہاڑ کے سرد حصوں میں پہنچ کر پانی بن جاتے ہیں اور اس طرح موسم برسات یا جولائی یا اگست میں ہمارے ہاں بارشیں ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے کسی خاص مقام پر بارش ہونے کے عوامل یہ ہیں۔ سمندر سے اس مقام کا فاصلہ سطح سمندر سے بلندی، ہواؤں کا رخ، پہاڑوں کا رخ اور بلندی، ان اصولوں کے تحت ضروری ہے کہ ایک خاص مقام پر اور ایک خاص موسم میں ہر سال یکساں بارش ہو۔ کیونکہ نہ سمندر کے پھیلاؤ میں فرق آتا ہے نہ سورج کی گرمی میں، نہ پہاڑوں کی بلندی اور رخ میں سرد ہوائیں بھی طبعی قانون کے تحت ایک خاص رخ ہی اختیار کرتی ہیں۔ مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ہر سال یکساں بارش نہیں ہوتی۔ ایک سال تو بارشوں کی کثرت سے اس خاص مقام پر سیلاب آجاتا ہے اور کوئی سال بالکل خشک گزر جاتا ہے سرے سے بارش ہوتی ہی نہیں پھر ان طبعی قوانین کے نتائج میں یہ کمی بیشی اور تبدیلی کیوں واقع ہوتی ہے؟ آخر ان باتوں سے یہ نتیجہ کیوں نہیں نکالا جاسکتا کہ کوئی ایسی زبردست اور بالاتر ہستی بھی موجود ہے جو ان بے جان قوانین کے نتائج میں تبدیلی کا پورا پورا اختیار رکھتی ہے۔

❁ کیا بارش محض طبعی قوانین کا نتیجہ ہے؟ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ بادل جو کروڑوں ٹن پانی کے بخارات سے لدے ہوتے ہیں وہ کسی سرد منطقہ میں پہنچ کر پانی بن جاتے ہیں۔ تو یہ پانی برستے وقت آخر قطروں کی شکل کیوں اختیار کرتا ہے۔ پانی کے بخارات کی مقدار قلیل ہو تو اس کے متعلق تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن کروڑوں ٹن پانی آخر کسی مقام پر یک دم کیوں نہیں گر پڑتا۔ اس پانی کی کثیر مقدار کو اس انداز میں نازل کرنا وہ خلقِ خدا، درختوں اور نباتاتِ ارضی کے لئے نقصان دہ ہونے کے بجائے فائدہ مند ثابت ہو یہ آخر کون سے بے جان طبعی قانون کا نتیجہ ہے؟

پھر یہی بخارات جب شدید سرد منطقہ میں پہنچتے ہیں تو پانی جم جاتا ہے اسی کیفیت کے متعلق قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ بلندی میں اولوں کے پہاڑ ہوتے ہیں جن کا فائدہ بہت کم اور نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی وہی چیز جو اللہ کی رحمت تھی۔ اللہ کا عذاب بن کر گرنے لگتی ہے۔ اور فصلوں کو فائدہ پہنچانے کی بجائے انہیں تباہ کر دیتی ہے۔ اور یہ اولے بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿٤٤﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ

میں بلند ہیں، اولے برساتا ہے پھر جسے چاہتا ہے ان سے نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچالیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کو خیرہ[۷۱] کر دیتی ہے (۴۳) اللہ ہی رات اور دن کا ادل بدل کرتا رہتا ہے۔ بلاشبہ اہل نظر کے لئے ان نشانیوں میں[۷۲] عبرت کا سامان ہے۔ (۴۴) اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے[۷۳] پیدا کیا۔

گرتے اسی مقام پر ہیں جہاں اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق ہواؤں کے رخ کو فوراً پھیر دیتا ہے اور جن لوگوں کو چاہتا ہے اولوں کے اس عذاب سے بچا بھی لیتا ہے اور جس قوم پر چاہتا ہے یہ عذاب اسی پر نازل ہوتا ہے۔

[۷۱] ۞ بادلوں اور بارش کے مضر پہلو:۔ یعنی آبی بخارات یا منجمد بادلوں کے ٹکراؤ سے بجلی بھی پیدا ہوتی ہے جو گر کر ہر چیز کو جلا دیتی ہے اور اسے تباہ کر کے رکھ دیتی ہے اور اس کی روشنی اس قدر تیز اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والی ہوتی ہے کہ اگر انسان کچھ دیر اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کی بینائی کے نور کو بھی تباہ کر کے رکھ دے۔ یعنی بارش جو تمام اہل زمین کے لئے خیر کا پہلو رکھتی ہے اس میں اہل زمین کے لئے شر کے کئی پہلو موجود ہیں۔ یعنی اس بارش کے پانی میں بجلی اور آگ بھی موجود ہے۔ اس میں اتنی تیز روشنی بھی ہے جو آنکھوں کو بے نور کر سکتی ہے پھر یہی پانی اولے بن کر نقصان دہ چیز بھی بن جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کو خوشی کے عالم میں کبھی اترانا نہ چاہئے بلکہ اللہ کی گرفت سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

[۷۲] ۞ گردش لیل و نہار اور موسموں کی تبدیلی:۔ رات اور دن کا باری باری آنا بھی اللہ کی معرفت کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ جسے اللہ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیاروں کی گردش کا ایسا مربوط نظام بنا دیا ہے جس سے دن اور رات باری باری آتے رہتے ہیں۔ کسی مقام پر ایک ہی وقت راتیں بڑھ رہی ہیں تو دوسرے مقام پر اسی وقت چھوٹی ہو رہی ہیں۔ پھر اسی نظام سے ہر مقام پر موسموں میں تبدیلی آتی رہتی ہے جو مختلف قسم کی اجناس اور نباتات کے پکنے میں ممد ثابت ہوتی ہے۔ فصلوں کے پکنے اور موسم میں ایک گہرا تعلق ہے غرضیکہ اللہ تعالیٰ کا یہ نظام اس قدر محیر العقول اور کثیر الفوائد ہے کہ جتنا بھی اس میں غور کیا جائے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا سکہ انسان کے دل میں بیٹھتا جاتا ہے۔

موجودہ نظریہ کے مطابق یہ سب نتائج زمین کی محوری گردش اور سورج کے گرد سالانہ گردش سے حاصل ہوتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر زمین جیسے عظیم الجثہ کرّے کو آخر کس ہستی نے مجبور کیا ہے کہ وہ سورج کے گرد اپنے محور پر ساڑھے چھ ڈگری کا زاویہ بناتے ہوئے چھیاسٹھ ہزار چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی رہے اور ہمیشہ گھومتی رہے اور اس گردش میں سر مو بھی فرق نہ آنے دے؟ پھر ہر وقت اس کی کڑی نگرانی بھی رکھے ہوئے ہے ﴿ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ﴾

[۷۳] ۞ زمین پر سب جانداروں کی تخلیق پانی سے ہوئی ہے:۔ سورۂ ہود کی آیت نمبر ۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا" (۱۱:۷) اسی آیت کے مطابق درج ذیل حدیث کا مضمون ہے: عمران بن حصین ؓ کہتے ہیں کہ یمن کے کچھ لوگ آپ کے پاس عالم کی پیدائش کا حال پوچھنے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (پہلے صرف) اللہ کی ذات تھی اور اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے ہر چیز کو لوح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مِّن مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ ۖ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ ۖ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ
اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٥﴾ لَّقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٤٦﴾ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ

ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ دو پاؤں پر اور کچھ چار پاؤں پر، جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۴۵) ہم نے صاف صاف حقیقت بتانے والی آیات اتاری ہیں اور سیدھی[۷۴] راہ کی طرف رہنمائی تو اللہ ہی جسے چاہے کرتا ہے۔(۴۶) یہ (منافق) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق (اطاعت سے) منہ پھیر[۷۵]

محفوظ میں لکھ لیا اور آسمان اور زمین پیدا کیے" (بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب ما جاء فی قول اللہ ھو الذی یبدأ الخلق)

اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخلوقات میں سے سب سے پہلے اللہ نے پانی کو پیدا کیا تھا۔ اور عرش کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں نہ ہم یہ جاننے کے مکلف ہیں۔ پھر سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۳۰ میں فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (۲۱:۳۰) یعنی جس چیز میں بھی زندگی کی رمق ہے اسے ہم نے پانی سے بنایا ہے۔ جس کا دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ کوئی جاندار چیز پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور اس آیت میں جانداروں کا ذکر فرمایا کہ وہ پانی سے پیدا ہوئے ہیں۔ خواہ وہ کس نوعیت کے ہوں۔ کیڑے مکوڑے ہوں، پیٹ کے بل چلنے یا رینگنے والے ہوں، جیسے سانپ، گرگٹ اور مچھلی وغیرہ یا دو پاؤں پر چلنے والے ہوں۔ جیسے انسان اور پرندے یا چار پاؤں پر جیسے تمام مویشی اور درندے وغیرہ۔ پھر کچھ ایسی بھی مخلوق ہے جس کے پاؤں چار سے بہت زیادہ ہوتے ہیں جیسے کنکھجورا وغیرہ۔ تو ایسی سب مخلوق کی ابتدا پانی ہی سے ہوئی تھی اور پانی کے سہارے ہی یہ مخلوق زندہ رہ سکتی ہے۔ پانی سے روئے زمین کی تمام اشیاء کو اور بالخصوص جاندار اشیاء کو وجود میں لانا بھی اللہ تعالیٰ کا ایسا کارنامہ ہے جس سے اس کی ہر چیز پر قدرت ہونے کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ ڈارون کے نظریہ کے مطابق زندگی کا آغاز سمندر کے کنارے کائی سے ہوا تھا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کائی بھی پانی ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اور حقیقتاً ہر شے کی زندگی کا آغاز کائی سے نہیں بلکہ پانی سے ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اسلامی نظریہ حیات ڈارون کے پیش کردہ نظریہ حیات سے کئی باتوں میں متصادم ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے میری تصنیف آئینہ پرویزیت حصہ دوم میں نظریہ ارتقاء)

[۷۴] یعنی یہ جتنی نشانیاں اوپر مذکور ہوئیں، غور و فکر کرنے والوں کو ان سے اللہ تعالیٰ کی بخوبی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور جو ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہ کرے اسے ہدایت کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

[۷۵] یعنی اپنے عمل سے اپنے قول کی خود ہی تردید کر دیتے ہیں۔ ان کے دعویٰ کے دو جز تھے ایک اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، دوسرے اطاعت کرنا۔ اب چونکہ انہوں نے منہ پھیر کر اطاعت سے انکار کر دیا ہے لہٰذا تو یہ اپنے دعویٰ کے پہلے جز یعنی ایمان لانے کے سلسلہ میں جھوٹے ہوئے۔ اگر سچے دل سے ایمان لائے ہوتے تو کبھی اطاعت سے منہ نہ پھیرتے۔ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ

لیتا ہے حقیقتاً یہ لوگ ایماندار نہیں۔(۴۷) اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان[۷۶] فیصلہ کرے تو کچھ لوگ اعراض کرنے لگتے ہیں(۴۸) اور حق ان کی موافقت میں ہو تو بڑے[۷۷] مطیع و منقاد ہو کر چلے آتے ہیں۔(۴۹) کیا ان کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے یا وہ شک میں

سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا بھی عمل اس کے قول یا زبانی دعویٰ کے خلاف ہو۔ حقیقتاً وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوتا ہے۔

[۷۶] اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ اللہ کے رسول کی طرف بلانا دراصل اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلانا ہے۔ رسول کی دعوت اور رسول کی طرف دعوت دراصل اللہ کی دعوت اور اللہ کی طرف دعوت ہے۔ دوسرے یہ کہ رسول کا فیصلہ حقیقتاً اللہ ہی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو شخص رسول کی طرف جانے یا اس سے فیصلہ کروانے یا اس کا فیصلہ تسلیم کرنے سے اِعراض کرے وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ اس آیت کا حکم آپ ﷺ کی زندگی تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ آپ کے بعد کوئی بھی اسلامی حکومت جس میں عدالتیں کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق فیصلے کرتی ہوں اور ایسی عدالت کی طرف سے اگر کسی شخص کو بلاوا یا سمن آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہی بلاوا سمجھا جائے گا۔ اور اس سے اِعراض کرنے والا مومن نہیں بلکہ منافق ہوگا۔ علاوہ ازیں ہمارے اختلافی مسائل میں بھی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت حَکَم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور کتاب و سنت میں ہمارے اکثر اختلافی مسائل کا حل بھی موجود ہے۔ اگر کوئی شخص کتاب و سنت کی طرف جانے یا اس کا فیصلہ ماننے سے اعراض کرے تو وہ بھی حقیقتاً مومن نہیں بلکہ منافق ہیں۔ مقلد حضرات کے لئے بھی یہ آیت لمحہ فکریہ ہے جن میں سے بعض کا تو یہ حال ہے کہ جب ان سے کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرنے کو کہا جائے تو چیں بہ جبیں ہو جاتے ہیں اور چل دیتے ہیں اور بعض یوں کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے امام صاحب کو بھی یہ آیت اور یہ حدیث معلوم تھی۔ آخر انہوں نے بھی کسی دلیل سے یوں کہا ہوگا اور وہ دلیل ہمیں جاننے یا سمجھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم مقلد ہیں۔

[۷۷] ❁ اللہ اور رسول کی بات سے اِعراض منافقت ہے:۔ ذَعَنَ کے معنی نہایت فرمانبردار بن کر ساتھ ہو لینا یا اشاروں پر چلنا ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافق لوگ اللہ اور اس کے بلانے یا اس کے ہاں جانے سے اعراض صرف اس وقت کرتے ہیں جب انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کا حق دبا رہے ہیں اور اگر رسول کے پاس گئے تو وہ یقیناً حق کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ لہٰذا ہمیں اس کے پاس جانے سے نقصان پہنچ جائے گا لیکن جب انہیں معلوم ہو کہ ہم حق پر ہیں یا دوسرے کی طرف سے ان کا حق نکلتا ہو تو بلا چون و چرا نہایت فرمانبردار بن کر ساتھ ہو لیتے ہیں اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ رسول حق کے مطابق ہی فیصلہ کرے گا۔ ایسے لوگ دراصل رسول کی نہیں اپنے فائدے کی اتباع کرتے ہیں۔

پہلے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۳ کے حاشیہ میں گزر چکا ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا
دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ

پڑے ہوئے ہیں یا وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی[۷۸] کر جائیں گے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔(۵۰)

مومنوں کی تو بات ہی یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں کہ "ہم نے سن لیا اور اطاعت[۷۹] کی" ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔(۵۱) اور جو

تھا۔ جس میں یہودی حق پر تھا۔ اور یہ چاہتا تھا کہ اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلیں۔ جبکہ منافق یہ چاہتا تھا کہ یہ مقدمہ یہود کے سردار کعب بن اشرف کے پاس لے جائیں۔ اس مقدمہ کی تفصیل مذکورہ حاشیہ میں دیکھ لی جائے۔ کہتے ہیں کہ یہ آیت بھی اسی سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔

۞ شریعت کی حسب پسند باتوں پر عمل کرنے والا بھی منافق ہے:۔ اس آیت سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص شریعت کی مفید مطلب باتیں تو بہ خوشی قبول کرے مگر جو باتیں اس کی اغراض و خواہشات یا مفاد کے خلاف پڑتی ہوں ان سے اعراض کرے وہ مومن نہیں۔ بلکہ منافق ہوتا ہے اور اپنے ایمان کے دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دراصل اپنی خواہشات کا پیروکار ہوتا ہے۔ شریعت کا نہیں ہوتا۔

[۷۸] ۞ اللہ کے رسول کے فیصلہ سے اعراض کی وجوہ:۔ یعنی ان منافقوں کے رسول کے فیصلہ سے اعراض کی تین ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ سچے دل سے ایمان نہ لایا ہو بلکہ اپنے ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر مسلمان ہو گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ ایمان کا دعوٰے کرنے کے باوجود اس شک و شبہ میں مبتلا ہو کہ یہ شخص واقعی اللہ کا رسول ہے بھی یا نہیں؟ یا یہ قرآن اللہ کا کلام ہے بھی یا نہیں؟ یا آخرت کے دن کے قیام اور اس دن جزوسزا کا عقیدہ کچھ حقیقت بھی رکھتا ہے یا نہیں یا یہ سب باتیں محض افسانے اور من گھڑت باتیں ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ اللہ اور رسول کو مان لینے کے بعد یہ اندیشہ رکھتا ہو کہ قرآن کے فلاں حکم نے تو ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے اور مصیبت میں ڈال دیا ہے یا رسول کا فلاں طریقہ یا حکم ہمارے لئے سخت نقصان دہ ہے ان تینوں صورتوں میں سے جو بھی صورت ہو ان کے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ایسا شخص خود بھی فریب میں مبتلا ہے اور فی الحقیقت بڑا دغاباز اور خائن ہے۔ جو ذاتی مفادات کی خاطر مسلمان بنا ہوا ہے۔ اور مسلمانوں کو بھی فریب دے رہا ہے۔ وہ اپنے آپ پر بھی ظلم کر رہا ہے اور دوسرے مسلمانوں پر بھی۔ جو اس کے زبانی دعوے پر اعتماد کر کے اسے اپنی ملت میں شامل کر لیتے ہیں۔

ان کے ظالم ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنا حق تو پورا پورا وصول کریں۔ خواہ اس میں دوسروں کی کتنی زیادہ حق تلفی ہو رہی ہو۔ اور اسی غرض کے تحت وہ اپنا فیصلہ وہاں لے جانا چاہتے ہیں جہاں انہیں اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کی توقع ہو۔ اور یہ دونوں باتیں ان کے ظالم ہونے پر صریح دلیل ہیں۔

[۷۹] یعنی مومنوں کی نظر منافقوں کی طرح اپنے ذاتی مفادات پر نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنا تمام تر مفاد اس بات میں سمجھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی دل و جان سے اطاعت کی جائے وہ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ کا رسول انہیں کوئی حکم دے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ
اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ
تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا

شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرے، اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ بامراد ہیں۔(۵۲) (منافقین) اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر (رسول سے) کہتے ہیں کہ "اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ ضرور (جہاد پر) نکلیں گے" آپ ان سے کہئے کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ مطلوب (قسمیں نہیں بلکہ) دستور کے مطابق[۸۰] اطاعت ہے" اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر[۸۱] ہے۔(۵۳) آپ ان سے کہئے کہ "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو" پھر اگر تم اطاعت نہیں کرو گے تو رسول کے ذمہ تو وہی کچھ ہے جس کا وہ مکلف ہے (یعنی تبلیغ کا) اور تمہارے ذمہ وہ کچھ ہے جس کے تم مکلف ہو (یعنی اطاعت کے) اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ صاف صاف[۸۲] پیغام پہنچا دے۔(۵۴) تم میں سے جو مومن ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ

جسے وہ بجالائیں۔ ان کی خوشی بھی اسی بات میں ہوتی ہے اور اطمینان بھی اسی بات میں۔ اور جن لوگوں نے اپنی تمام تر اغراض، خواہشات اور مفادات کو اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کے تابع بنا دیا۔ تو اللہ بھی ایسے لوگوں کی حمایت و نصرت فرماتے ہیں وہ دنیا میں بھی انہیں کامیاب بنائیں گے اور آخرت میں بھی ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

[۸۰] طاعة معروفة کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا سچے دل سے عہد کیا ہو۔ وہ اطاعت کر کے دکھا دیتے ہیں اور انہیں قسمیں کھانے کی کبھی ضرورت پیش ہی نہیں آتی۔ قسمیں کھانے اور قسمیں کھا کر یقین دلانے اور اپنا اعتماد بحال کرنے کی تو ضرورت ہی تب پیش آتی ہے جب کسی کا اعتماد مجروح ہو چکا ہو۔ اور آئندہ بھی اس کی صحیح صورت یہ نہیں کہ بس پکی قسمیں کھا کر اعتماد بحال کرنے کی کوشش کریں۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ عملی طور پر اطاعت کر کے دکھا دیں۔ اس طرح قسمیں کھانے کے بغیر ہی ان کا اعتماد بحال ہو جائے گا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جتنی اور جیسی وہ اطاعت کر رہے ہیں تو وہ پہلے ہی سب کو معلوم ہے۔ پہلے بھی لوگ ایسے بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے تھے اور یقین دہانیاں کراتے تھے۔ قسمیں کھانے کے بعد ایسی اطاعت کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟

[۸۱] یعنی تم لوگ اگر قسمیں کھا کر لوگوں کو اپنی بات کا یقین دلا بھی دو تو اللہ کے سامنے تو تمہاری ایسی چالاکیاں اور فریب کاریاں کسی کام نہیں آسکتیں جو تمہاری تمام ظاہری اور باطنی خباثتوں سے پوری طرح باخبر ہے اور وہ کسی وقت بھی تمہاری عیاری اور نفاق کا پردہ چاک کر سکتا ہے۔

[۸۲] یعنی رسول اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا پابند ہے اور تم اپنی ذمہ داری کے۔ رسول کی ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ وہ تمہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي

انہیں زمین میں ایسے ہی خلافت عطا کرے [۸۳] گا جیسے تم سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی اور ان کے اس دین کو

اللہ کا پیغام پہنچادے اور وہ اس نے پوری کردی۔ اور تمہارے ذمہ یہ بات ہے کہ تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو جس میں تم پس و پیش کر رہے ہو۔ اور نری قسمیں کھا کھا کر ہی آئندہ کے لئے اطاعت کا یقین دلانا چاہ رہے ہو لیکن یاد رکھو کہ اگر اس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی عزت و آرام سے رہو گے اور آخرت میں کامیاب رہو گے۔ اور اگر ایسا نہ کرو گے تو اس میں رسول کا کچھ نقصان نہیں۔ تمہاری خباثتوں کا خمیازہ تمہیں ہی بھگتنا پڑے گا۔

[۸۳] ❁ نظامِ خلافت کی استعداد ہر انسان میں بالقوۃ موجود ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدمؑ کو دنیا میں خلیفہ بنا کر بھیجا تھا تاکہ آدم اور اس کی اولاد دنیا میں وہ نظام حیات قائم کرے جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو اور جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدمؑ کو بھی اور بعد میں وقتاً فوقتاً ان کی اولاد کو بذریعہ وحی بتا بھی دیا تھا۔ اور نظام خلافت کے قائم کرنے کے لئے جو اوصاف درکار تھے وہ سب آدم اور اس کی اولاد کی فطرت میں ودیعت کر دیئے گئے تھے۔ ساتھ ہی انسان کو قوتِ ارادہ و اختیار بھی دیا گیا۔ اور اسی میں حضرت انسان کی آزمائش رکھ دی گئی کہ آیا وہ اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ اس مقصد خلافت کو پورا کرتا ہے یا نہیں؟ اور چونکہ ایسے اوصاف ہر انسان کی فطرت میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے آدم کی تمام تر اولاد خلافت کی مستحق قرار پاتی ہے۔ البتہ ان سے وہ لوگ از خود خارج ہو جاتے ہیں جو اپنی مرضی اور اپنی خواہشات کو اللہ کی مرضی کے تحت نہ بنائیں۔ اس آیت کی رو سے منافقین کو اس خلافتِ ارضی کے استحقاق سے خارج کر دیا گیا اور ان لوگوں کو بھی جو سرے سے ایمان ہی نہ لائیں یا ان کے اعمال صالح نہ ہوں۔ گویا یہ استحقاق صرف ان لوگوں کے لئے باقی رہ گیا جو ایمان بھی لائیں اور اعمال بھی صالح بجالائیں۔ ایسے ہی لوگوں سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہو تو وہ ایسا نظام حیات قائم کریں گے جو اللہ کے ہاں پسندیدہ اور اس کی منشا کے مطابق ہو اور یہی لوگ اپنے میں سے کسی بہترین آدمی کو اپنا امیر یا امام یا خلیفہ بنالیں گے اور جب وہ ایسا دین یا نظام حیات قائم کرلیں گے تو اللہ ان کے دین کو اور زیادہ مضبوط بنادیں گے اور ان کی نمایاں خصوصیت یہ ہوگی کہ شرک کو کسی قیمت پر بھی گوارا نہ کریں گے۔

❁ صحابہ کرام سے خلافتِ ارضی اور دین کے استحکام کا وعدہ الٰہی:۔ اس آیت میں منکم سے اور اس سے پہلی آیات میں منافقین مدینے کے ذکر سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ وعدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے کیا جارہا ہے اور جب یہ سورت نازل ہوئی اس وقت تک مسلمان تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کی معیشت میں صرف اس حد تک آسودگی آئی تھی کہ مہاجرین نے جو باغ اور کھجوروں کے درخت معاہدہ مواخات کے تحت انصار سے مزارعت پر لئے تھے وہ انہوں نے واپس کر دیئے تھے۔ اور جنگ احزاب سے پہلے تک مسلمانوں کی نوخیز ریاست مدینہ کی یہ حالت تھی کہ وہاں ہر وقت کفار کے حملہ سے خوف و ہراس کی فضا چھائی رہتی تھی۔ جنگ احزاب کے خاتمہ پر البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضرور فرمایا تھا کہ آج کے بعد کفار ہم پر چڑھائی کرنے کے لئے نہیں آئیں گے بلکہ اب ہم ان پر چڑھائیں کریں گے۔ مگر مدینہ سے باہر عرب میں لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا اور کوئی شخص یا کوئی قافلہ خیر خیریت سے سفر نہ کر سکتا تھا۔ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے صرف ایسے خوف و ہراس کے خاتمہ کی خوشخبری دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے خوف کے علاوہ تنگ دستی کے خاتمہ کی بھی خوشخبری دی۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے۔

۞ تنگدستی اور بدامنی کے خاتمہ کی شہادت:۔ عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دن میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ دو آدمی آئے۔ ایک تنگی معیشت کی شکایت کرتا تھا اور دوسرا رہزنی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب ایسا امن ہوگا کہ یہاں سے جانے والا قافلہ بغیر کسی محافظ کے جائے گا اور اے عدی بن حاتم! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟'' میں نے کہا نہیں البتہ اس کی خبر ملی ہے'' فرمایا: اگر تمہاری عمر زیادہ ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرے گی لیکن اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا'' میں نے دل میں سوچا: قبیلہ بنو طے کے لٹیرے جنہوں نے تہلکہ مچا رکھا ہے اس وقت کہاں جائیں گے؟'' اور قیامت نہیں آئے گی کہ ایک شخص اپنا صدقہ لے کر چکر لگائے کہ اسے کوئی لینے والا مل جائے لیکن اسے کوئی صدقہ لینے والا نہیں ملے گا۔ اور تم لوگ کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔'' میں نے کہا: کسریٰ بن ہرمز؟'' آپ ﷺ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا اور اے عدی! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو ضرور تم ایسے شخص کو دیکھو گے جو مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر ایسے آدمی کی تلاش میں نکلے گا جو اسے قبول کرے لیکن اسے ایسا کوئی آدمی نہ ملے گا۔'' (بخاری۔ کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ قبل الرد کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام) سیدنا عدی کہتے ہیں پھر میں نے حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرنے والی عورت کو دیکھا جو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتی تھی اور میں خود ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کئے۔ (بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ)

ان حالات میں ایسی پیشین گوئی مسلمانوں کے لئے ایک عظیم خوشخبری تھی چنانچہ اس خوشخبری کا کچھ حصہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی پورا ہو گیا۔ فتح مکہ اور بالخصوص اعلان براءت کے بعد عرب بھر سے لوٹ مار کی وارداتیں ختم ہو گئیں۔ اور صحابہ کرام ؓ کو آسودگی بھی میسر آ گئی مگر عرب سے باہر ابھی تک خوف و ہراس، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی فضا قائم تھی۔ جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں پوری ہوئی۔ اور سیدنا عثمان ؓ کے زمانہ میں فی الواقع اتنی آسودگی ہو گئی کہ ایک شخص اپنی زکوۃ ادا کرنے کے لئے نکلتا تو اسے کوئی مستحق زکوۃ شخص نہیں ملتا تھا۔

ضمناً اس آیت سے درج ذیل نتائج بھی سامنے آتے ہیں:

۱۔ ۞ اعمالِ صالحہ کی نئی تاویل:۔ صحابہ کرام ؓ نے جو نظام خلافت قائم کیا۔ وہی اللہ کے ہاں پسندیدہ دین ہے۔ اور اللہ نے اسی دین کو ان کے لئے پسند فرمایا تھا اور اس نظام خلافت کی خصوصیات سورہ حج کی آیت نمبر ۴۱ میں یہ بیان فرمائیں کہ ایسے مومنوں کو جب ہم اقتدار بخشتے ہیں تو وہ نماز اور زکوۃ کا نظام قائم کرتے ہیں۔ بھلے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اعمال صالحہ کس قسم کے اعمال ہوتے ہیں اور اس اصطلاح سے شرعاً کون سے اعمال مراد لئے جا سکتے ہیں۔

یہ وضاحت ہمیں اس لئے کرنا پڑی ہے کہ بعض کج فہم حضرات اعمال صالحہ سے مراد صلاحیت رکھنے والے کام لیتے ہیں جیسے وہ اعمال جن سے اقتدار حاصل کیا جا سکتا ہو۔ اس لحاظ سے ان کے نزدیک ہر وہ قوم جو اس وقت اقتدار حاصل کئے ہوئے ہے وہی ایماندار ہے اور اسی کے اعمال صالح ہیں۔ خواہ وہ قوم کافر، مشرک یا دہریہ ہی کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے یہ کج فکری کتاب و سنت کی تمام تر تعلیمات پر پانی پھیر دیتی ہے۔

۲۔ ۞ صحابہ کرام کی فضیلت:۔ یہ نظامِ خلافت اس قدر مضبوط ہو گیا تھا جس کی تمام روئے زمین پر دھاک بیٹھ گئی تھی۔ اور یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ

مضبوط کرے گا جسے اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ پس وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے[۸۴] تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔(۵۵) نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو (اس طرح) توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے[۸۵]۔(۵۶) آپ کافروں کے متعلق یہ خیال نہ کیجئے کہ وہ زمین میں[۸۶] (اللہ کو) عاجز کر دینے والے ہیں (کہ وہ انہیں عذاب نہ کرے) ان کا

دور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک مسلسل ترقی پذیر رہا۔ اگرچہ بعد میں مسلمانوں کے باہمی تنازعات کی بنا پر ان میں انحطاط آنا شروع ہو گیا۔ تاہم یہ نظام بعد میں مدتوں چلتا رہا۔

۳۔ اس نظام میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا، لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ہر قسم کے شرک سے پاک وصاف تھی۔ ان تمام باتوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کمال فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

❁ کونسے اعمال صالح ہیں؟ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ آیا اللہ کا یہ وعدہ صرف صحابہ کرام کے لئے ہی مخصوص تھا یا بعد کے مومنوں کے لئے بھی ہے؟ تو اس کا جواب اسی آیت میں مذکور ہے یعنی یہ وعدہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پہلے کے مومنوں کے لئے بھی تھا تو بعد میں آنے والے مومنوں کے لئے کیوں نہ ہوگا؟ بشرطیکہ ان میں مندرجہ اوصاف پائے جائیں یعنی وہ سچے مومن ہوں، اعمال صالح بجالائیں۔ نظام نماز اور زکوٰۃ قائم کریں۔ اچھے کاموں کا حکم دیں۔ برے کاموں سے روکیں ان کا مقصد محض اللہ کے دین یا نظام خلافت کا قیام ہو۔ اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ ان کی زندگیاں شرک سے کلیتاً پاک صاف ہوں۔ صرف اللہ سے ڈرنے والے اور اسی پر توکل کرنے والے ہوں اور باہم متحد ہو کر اور باہمی مشورہ سے کام کریں۔ اور تفرقہ بازی سے بچے رہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے تفرقہ بازی کو بھی اقسام شرک میں شمار کیا ہے۔ اگر مومن ان اوصاف کو اپنا لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ ان سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ کرے۔

[۸۴] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے مومنوں یا صحابہ کرام سے ایسے وعدہ اور پکی خوشخبری کے بعد بھی ان کا ساتھ نہ دے اور کفر و نفاق کی راہ اختیار کرے تو ایسے لوگ یقیناً بدکردار ہیں اور بعض علماء نے اس فقرہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ خلفائے راشدین کی خلافت قائم ہونے اور دین کے مضبوط ہونے کے بعد بھی جو شخص اس بات کا انکار کرے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا اختیار کردہ دین اللہ کا پسندیدہ دین نہیں تھا تو ایسے لوگ فاسق ہیں۔

[۸۵] یہ خطاب صرف منافقوں کو ہی نہیں بلکہ سب کے لئے عام ہے۔ یعنی اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ اللہ تم پر رحم فرمائے اور اس کی رحمتیں تم پر نازل ہوں تو اس کی صورت صرف یہی ہے کہ سچے دل سے اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا پورا اہتمام کرو۔

[۸۶] کافر سے مراد یہاں سب غیر مسلم ہیں۔ یعنی کفار مکہ، عرب کے مشرک قبائل، مدینہ کے یہود و منافقین، یہ سب لوگ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْمَصِيْرُ ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ
بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ۭ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ

ٹھکانا آگ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے(۵۷) اے ایمان والو! تمہارے غلاموں اور ان لڑکوں پر جو ابھی حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوں، لازم ہے کہ وہ (دن میں) تین بار اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوا کریں۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب تم کپڑے اتارتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین اوقات تمہارے لئے پردہ[۸۷] کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ (دوسرے وقتوں میں) ان کے بلا اجازت آنے جانے سے نہ ان پر کچھ گناہ ہے[۸۸] اور نہ تم پر، تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے ارشادات کی وضاحت کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔(۵۸)

مل کر اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگالیں تب بھی یہ لوگ اسلام کی راہ روک نہیں سکتے۔ اللہ کا دین تو یقیناً بلند ہو کے رہے گا۔ رہے یہ معاندین تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی انہیں رسوا کرے گا اور آخرت میں بھی انہیں جہنم کا عذاب بھگتنا ہوگا۔

[۸۷] ۞ عورت کا لغوی معنی:۔ اس آیت سے پھر وہی معاشرتی احکام شروع ہو رہے ہیں جو اس سورت کا اصل موضوع ہے۔ اس آیت میں عورات کا لفظ عورۃ کی جمع ہے۔ یہ لفظ ان الفاظ سے ہے جو کسی دوسری زبان میں منتقل ہو کر بالکل جداگانہ مفہوم اختیار کر لیتے ہیں۔ ہماری زبان میں تو عورت مرد کی تانیث یا مادہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ عربی زبان میں (جس زبان کا یہ لفظ ہے) عورت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کھلا رکھنا یا اس کا کھلا رہنا انسان کے لئے باعث ننگ و عار ہو۔ اور انسان اسے چھپانا ضروری سمجھتا ہو (مفردات امام راغب) اور مردوں کی مادہ کے لئے نساء کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی سورہ کی آیت نمبر ۳۱ میں یہ دونوں الفاظ اکٹھے استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ ﴿اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ﴾ (۲۴:۳۱) ترجمہ: یا پھر وہ (نابالغ) بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں۔ علاوہ ازیں قرآن میں یہ لفظ ایسے غیر محفوظ مکان کیلئے بھی استعمال ہوا ہے جس کو محفوظ رکھنا ضروری ہو (۳۳:۱۳) اور اس مقام پر پوشیدہ اوقات یا پردہ کے اوقات کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۞ خلوتِ خانہ کی اہمیت اور احکام:۔ اس آیت میں بالخصوص گھر کی خلوت (Privacy) کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ دن اور رات یعنی ۲۴ گھنٹوں میں تین اوقات ایسے ہیں جن میں تمہارے غلاموں، تمہاری کنیزوں اور تمہارے نابالغ بچوں خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، سب کا داخلہ بلا اجازت ممنوع ہے۔ اور وہ اوقات ہیں۔ طلوعِ فجر سے پہلے یعنی سحری کا وقت، دوسرے ظہر کے وقت نماز ظہر سے پہلے یا بعد، جب تم آرام کرنے کے لئے اپنے کپڑے اتارتے ہو۔ اور تیسرے جب عشاء کی نماز کے بعد تمہارے سونے کا وقت ہوتا ہے اور یہ تینوں اوقات ایسے ہیں کہ جن میں اکثر میاں بیوی کی ہم بستری کا امکان ہوتا ہے۔ لہٰذا تمہارے کسی نابالغ بچے یا تمہارے غلام کو بلا اجازت گھر میں داخل نہ ہونا چاہئے۔

[۸۸] ان تین اوقات کے علاوہ کسی بھی وقت تمہارے نوکر چاکر اور تمہارے نابالغ بچے تمہاری عورتوں کے ہاں یا تمہارے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ

اور جب لڑکے سن بلوغ[۸۹] کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اس طرح اذن لیا کریں جیسا کہ ان سے پہلے (ان کے بڑے) اجازت لیتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔(۵۹) اور جو عورتیں جوانی سے گزری[۹۰] بیٹھی ہوں اور نکاح کی توقع نہ رکھتی ہوں

پرائیویٹ کمروں میں بلا اجازت آ جا سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ گھر کے کام کاج کے سلسلہ میں انہیں ہر وقت گھر سے باہر اور باہر سے گھر میں داخلہ کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ اور ان پر ہر وقت اجازت کے ساتھ داخلہ کی پابندی ان کے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی ایک مصیبت بن جائے گی۔ ہاں اگر یہ لوگ ان خلوت کے اوقات میں بلا اجازت اندر آئیں تو یہ ان کی غلطی ہے اور اگر ان اوقات کے علاوہ کسی دوسرے وقت تم کسی نامناسب حالت میں ہو اور وہ بلا اجازت اندر آ جائیں تو تمہیں ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں غلطی تمہاری اپنی ہوگی کہ کام کاج کے اوقات میں تم نے اپنے آپ کو ایسی نامناسب حالت میں رکھا۔

[۸۹] ۞ بلوغت اور اس کے عوامل:۔ ان میں جنسی شعور، صنفی میلانات بیدار ہونے لگیں اور شرعاً اس کی حد یہ ہے کہ بچے کو احتلام آنے لگے۔ بلوغت کی عمر کی سالوں سے تعیین کرنا مشکل ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ایک لڑکا گیارہ سال کا ہی بالغ ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اٹھارہ سال تک بالغ نہ ہو۔ اور اس سن بلوغت کے بھی کئی عوامل ہیں مثلاً جن ممالک کی آب و ہوا گرم مرطوب ہو وہاں بچے جلد بالغ ہو جاتے ہیں اور جہاں آب و ہوا سرد ہو وہاں دیر سے بالغ ہوتے ہیں۔ اسی طرح خوشحال گھرانوں کے بچے جلد بالغ ہو جاتے ہیں اور تنگدست گھرانوں کے بچے دیر سے بالغ ہوتے ہیں۔ اسی طرح مرد و عورت کے آزادانہ اور فحاشی کے ماحول میں بچے جلد بالغ ہو جاتے ہیں اور پاکیزہ ماحول والے بچے دیر سے بالغ ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بچے کی بلوغت کا مدار کسی حد تک اس کی قد و قامت اور صحت پر بھی ہوتا ہے کمزور خلقت والے بچے نسبتاً دیر سے بالغ ہوتے ہیں۔ لہٰذا بلوغت کا اندازہ کسی بچے کی عمر سے نہیں بلکہ اس کی دوسری کیفیات سے لگانا چاہئے۔ اور جب ان کی بلوغت کا علم ہو جائے تو ان پر گھروں میں داخلہ پر وہی پابندیاں عائد ہو جائیں گی جو بڑوں پر ہیں یعنی کسی وقت بھی ان کا گھروں میں بلا اجازت داخلہ ممنوع ہوگا۔

[۹۰] ۞ قواعد کا لغوی مفہوم:۔ قواعد کا لفظ قاعدہ اور قعیدہ دونوں کی جمع ہے۔۔ قاعدہ بمعنی بنیاد اور قواعد بمعنی بنیادیں بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ (۲:۱۲۷) اور قعد کے معنی بیٹھنا بھی، بیٹھ رہنا اور کوئی کام نہ کرنا بھی اور کسی کام کے لئے تیار ہو بیٹھنا بھی ہے۔ اور قعیدۃ کا دوسرے معنی سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی ایسی عورتیں جو ازدواجی زندگی کے کام کاج سے فارغ ہو چکی ہوں۔ یعنی سن یاس کو پہنچ چکی ہوں اور اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہی ہوں اور جن کی جنسی خواہشات مر چکی ہوں اور اگر کوئی مرد انہیں دیکھے تو اس کے صنفی جذبات میں تحریک پیدا نہ ہو یعنی بوڑھی کھوسٹ عورتیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٠﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى

وہ اگر اپنی چادریں[۹۱] اتار (کر ننگا سر کر) لیا کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ زیب و زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ تاہم اگر وہ (چادر اتارنے سے) پرہیز[۹۲] ہی کریں تو یہی بات ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سنتا، جانتا ہے۔(۶۰) اس بات میں نہ اندھے پر، نہ لنگڑے پر،

[۹۱] ❁ ستر و حجاب میں فرق۔ مرد اور عورت کے مقامات ستر:۔ یہاں ثِيَابَهُنَّ کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے بدن کے سب کپڑے اتار سکتی ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ان سے حجاب کی پابندیاں اٹھ جاتی ہیں۔ لیکن ستر کی پابندیاں بدستور بحال رہتی ہیں۔ ستر اور حجاب میں فرق یہ ہے کہ ستر ان اعضاء کو ڈھانپ رکھنے کا نام ہے جن کا ڈھانپنا ہر حال میں ضروری ہے کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو۔ مرد کا مقام ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ اور عورت کا مقام ستر اس کا سارا جسم ہے ماسوائے ہاتھوں اور چہرہ کے۔ مرد اپنے مقامات ستر اپنی بیوی کے سوا کسی کے سامنے کھول نہیں سکتا اور نہ ہی عورت اپنے ستر کے مقامات اپنے خاوند کے سوا کسی دوسرے کے سامنے کھول سکتی ہے۔ ان احکام میں اگر گنجائش ہے تو صرف یہ ہے کہ عورت اپنے محرم رشتہ داروں کے سامنے کسی ضرورت کے تحت جسم کا اتنا حصہ کھول سکتی ہے جسے گھر کا کام کاج کرتے ہوئے کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے جیسے فرش دھوتے وقت پائنچے اوپر چڑھا لینا یا آٹا گوندتے وقت کف اوپر چڑھا لینا وغیرہ اور مقام ناف سے لے کر گھٹنے تک کے مقامات ستر تو ایسے ہیں جنہیں کوئی عورت کسی عورت کے بھی سامنے کھول نہیں سکتی۔ مزید تفصیل کے لئے میری تصنیف "احکام ستر و حجاب" ملاحظہ ہو

❁ بوڑھی عورتوں کو حجاب کے احکام سے رخصت کی مشروط اجازت:۔ یہاں جو بڑھی بوڑھیوں کو کپڑے اتارنے کی اجازت ہے تو اس سے مراد وہ کپڑے ہیں جو ستر سے متعلق نہیں بلکہ حجاب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ دو ہیں ایک دوپٹہ جس سے عورتوں کے سر پر رکھنے اور اس سے اپنے گریبان ڈھانپے رکھنے کا حکم ہے اور اس کا تعلق گھر کے اندر کی دنیا سے ہے اور دوسرے بڑی چادریں جن سے انہیں اپنا سارا بدن اور زیب و زینت ڈھانپ کر گھر سے باہر نکلنے کا حکم ہے۔ اب بڑی بوڑھیوں کو رخصت صرف یہ ہے کہ ان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ گھر میں ہر وقت دوپٹہ یا اوڑھنی اوڑھے رکھیں یا جب کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلیں تو بڑی چادروں میں اپنے پورے جسم کو ڈھانپ کو نکلا کریں۔ اور یہ رخصت بھی صرف اس صورت میں ہے جب انہوں نے سنگھار اور میک اپ وغیرہ نہ کیا ہو۔ اور اگر ایسی صورت ہو اور انہیں بھی اپنی زیب و زینت کا اظہار مقصود ہو یا ان کا بھی بناؤ سنگھار کرنے یا اس کی نمود و نمائش کرنے کو جی چاہتا ہو تو انہیں یہ رخصت نہیں ملے گی۔

[۹۲] یعنی اگر بڑی بوڑھی عورتیں بھی اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھائیں تو یہی بات ان کے حق میں بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسے دیکھنے والے سارے بوڑھے یا متقی لوگ تو نہیں ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شہوت کا مارا اوباش اس سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کر دے اور اس پر بھی ہاتھ صاف کرنے سے نہ چوکے۔ لہٰذا بوڑھی عورتیں بھی اس رخصت کا استعمال موقع و محل کا لحاظ رکھ کر کریں۔ بصورت دیگر اس رخصت پر عمل نہ کریں۔ یہی چیز ان کے حق میں بھی بہتر ہے اور معاشرہ کے حق میں بھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لَا عَرَجٍ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

نہ مریض[۹۳] اور نہ خود تمہارے لیے کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے[۹۴] کھانا کھاؤ، اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماں (اور نانی) کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں، بہنوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں یا خالاؤں کے گھروں سے کھاؤ یا ان کے گھروں سے جن کے تم سرپرست[۹۵] ہو

[۹۳] ❁ کھانا کھانے کھلانے کے آداب:۔ اس آیت میں معاشرہ کے مختلف قسم کے لوگوں کے ایک دوسرے کے ہاں کھانا کھانے کے آداب اور احکام بیان ہوئے ہیں۔ آیات کا ابتدائی حصہ معذور لوگوں سے تعلق رکھتا ہے یعنی لنگڑے اور مریض قسم کے لوگ۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ چونکہ خود کما نہیں سکتے اس لئے وہ ہر گھر سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ انہیں اس میں عار محسوس نہ کرنا چاہئے اور معاشرہ کے لوگوں پر چونکہ ان کا حق ہے۔ لہٰذا انہیں بھی چاہئے کہ انہیں کھانا کھلانے کے سلسلہ میں فراخدلی سے کام لیں۔

اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ دور جاہلیت میں اس قسم کے معذور لوگ خود آسودہ حال اور تندرست لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا کھانے میں جھجک محسوس کرتے تھے انہیں یہ خیال آتا تھا کہ شاید دوسروں کو ہمارے ساتھ کھانا کھانے سے نفرت ہو اور وہ اسے ناگوار محسوس کریں۔ اور فی الواقع بعض لوگوں کو ایسی نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی۔ لہٰذا عام لوگوں کو ہدایت دی گئی کہ ایسے لوگ تو تمہاری ہمدردی کے محتاج ہیں چہ جائے کہ ان سے نفرت کی جائے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ بعض متقی قسم کے لوگوں کو یہ خیال آتا تھا کہ شاید ایسے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے سے کہیں ان معذور لوگوں کی حق تلفی نہ ہوتی ہو۔ مثلاً اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے۔ لنگڑے ممکن ہے دیر سے پہنچیں اور مریض تو کھانا کھاتے وقت اپنی تکلیف اور پرہیز ہی کو ملحوظ رکھتے ہیں لہٰذا یہ لوگ علیحدہ ہی کھانا کھائیں تو بہتر ہے۔ اس جملہ سے ان سب لوگوں کے نظریات کا ازالہ کر دیا گیا۔

[۹۴] جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (۴:۲۹) تو بعض مسلمان اس سلسلہ میں ضرورت سے زیادہ محتاط ہو گئے تھے اور وہ صاحب خانہ کی دعوت یا اس کی اجازت کے بغیر اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے ہاں سے بھی کھانا کھانا تقویٰ کے خلاف سمجھنے لگے تھے۔ اس فقرہ کی رو سے ان کی ضرورت سے زیادہ احتیاط کے نظریہ کا ازالہ کیا گیا اور سب سے پہلے اپنے ہی گھروں سے کھانا کھانے سے ابتدا کی گئی۔ حالانکہ اپنے گھر سے کھانا کھانے کے لئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس آغاز سے ذہن نشین یہ کرایا گیا ہے کہ جس طرح تمہیں اپنے گھر سے کھانا کھانے کے لئے کسی اجازت اور تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح تم اپنے باپ، اپنی ماں، اپنے بھائیوں، اپنی بہنوں، اپنے چچاؤں، اپنی پھوپھیوں، اپنے ماموؤں اور اپنی خالاؤں کے ہاں سے کھا سکتے ہو۔ اس مقام پر آٹھ بڑے قریبی رشتہ داروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان گھروں سے تم بلا اجازت اور بے تکلف کھانا کھا سکتے ہو۔ خواہ صاحب خانہ موجود ہو یا نہ ہو۔ اس آیت میں اپنے بیٹوں، بیٹیوں کے گھروں کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا۔ یہ گھر بھی دراصل ہر شخص کے اپنے ہی گھر ہوتے ہیں۔

[۹۵] ﴿اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ﴾ کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارے کارندے اس چیز سے کھا سکتے ہیں جس پر تم نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ

یا اپنے دوست[۹۶] کے ہاں سے کھالو۔

نہ ہی اس بات میں کوئی گناہ ہے کہ تم سب مل کر کھاؤ یا علیحدہ علیحدہ[۹۷]۔ البتہ جب تم گھروں میں[۹۸] داخل ہوا

انہیں نگران یا کارندہ بنایا ہے۔ اس لحاظ سے تمہارے باغ کا مالی باغ کے پھل تمہاری اجازت کے بغیر کھا سکتا ہے۔ تمہارا گڈریا تمہاری اجازت کے بغیر بکریوں کا دودھ پی سکتا ہے۔ تمہارا نان بائی تمہارے ہوٹل سے تمہاری اجازت کے بغیر کھانا کھا سکتا ہے اور اس کی بے شمار مثالیں ہو سکتی ہیں اور دوسرا یہ کہ اگر تم ایسے لوگوں کے ہاں سے کچھ کھالو تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ ان کے کفیل تو تم خود ہو۔

[۹۶] یہاں دوست سے مراد ایسا دلی اور ہمدرد دوست مراد ہے جو اگر تمہارے پاس آئے تو تمہیں حقیقی مسرت حاصل ہو اور اگر وہ تمہاری غیر حاضری میں تمہارے گھر سے کچھ کھالے تو تمہیں یہ بات ناگوار گذرنے کے بجائے خوشی ہو۔

[۹۷] اکیلے اکیلے کھانا بہتر ہے یا اکٹھے مل کر:۔ اہل عرب کے بعض قبیلوں کی یہ تہذیب تھی کہ وہ اکیلا اکیلا کھانا کھانے کو بہتر سمجھتے تھے اور اکٹھے مل کر کھانے کو معیوب سمجھتے تھے۔ ہندوؤں میں آج کل بھی یہی تہذیب ہے۔ اور مسلمانوں میں سے بھی کچھ لوگ اسی بات کو بہتر سمجھتے ہیں بالخصوص وہ لوگ جو جراثیم کے نظریہ کے ضرورت سے زیادہ قائل ہوتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ ایسے لوگ تھے جو اکیلے یا اکیلے اکیلے کھانے کو معیوب سمجھتے تھے۔ بعض تو اس حد تک متشدد تھے کہ اس وقت تک کھانا نہ کھاتے تھے بلکہ فاقہ سے رہتے تھے جب تک کوئی دوسرا آدمی یا مہمان ان کے ساتھ کھانے میں شامل نہ ہو اور بعض کی تہذیب ہی یہ تھی کہ اکیلے اکیلے کھانا بری بات ہے اور مل کر کھانا ہی بہتر ہے۔ یہ آیت اس طرح کی پابندیوں کو ختم کرنے کے لئے نازل کی گئی اس آیت کی رو سے اگرچہ عام اجازت دی گئی کہ جس طرح کوئی چاہے کھا سکتا ہے۔ تاہم اسلام نے اکٹھے مل کر کھانے کو ہی ترجیح دی ہے اور اس کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

۱۔ عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے (ابو سلمہ سے) بیٹے تھے، کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا۔ میں رکابی کے سب اطراف میں ہاتھ بڑھانے لگا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: "اپنے سامنے سے کھاؤ" (بخاری۔ کتاب الاطعمہ۔ باب الأكل مما يليه)

۲۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اشعری لوگ جب لڑائی میں محتاج ہو جاتے ہیں یا مدینہ میں ان کے بال بچوں کا کھانا کم ہو جاتا ہے تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے اس کو ایک کپڑے میں اکٹھا کرتے ہیں۔ پھر آپس میں برابر برابر بانٹ لیتے ہیں۔ یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں" (مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب من فضائل الاشعريين)

[۹۸] اس جملہ کا تعلق صرف کھانے کی دعوت سے نہیں بلکہ عام ہے۔ یعنی جب بھی تم اپنے یا کسی دوسرے کے گھر میں یا مسجد وغیرہ میں داخل ہوا کرو تو وہاں موجود لوگوں پر سلام (سلامتی کی دعا السلام علیکم) ضرور کہا کرو۔ بلکہ اگر گھر میں کوئی شخص بھی نظر نہ آئے، تب بھی السلام علیکم ضرور کہنا چاہئے اور فرشتوں کی موجودگی کا خیال کر لینا چاہئے۔ اور یہ کلمہ پاکیزہ اور مبارک اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ ع ۱۵
رَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ
يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن

کرو تو اپنے لوگوں (گھر والوں) کو سلام کہا کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔(۶۱)

مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی کام میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو اس سے [۹۹] اجازت لئے بغیر جاتے نہیں (اے رسول!) جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں، تو جب وہ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اِذن مانگیں

لحاظ سے ہے کہ جواب میں تمہیں بھی سلامتی کی دعا حاصل ہوگی۔ اس طرح پورے معاشرہ میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی اور سلامتی چاہنے کی فضا بن جائے گی۔

[۹۹] ۞ مجلس سے صدر کی اجازت کے بغیر اٹھ کر چلے آنا ممنوع ہے:۔ یعنی ایسے امور جن کا تعلق سب مسلمانوں سے مشترک ہو۔ جیسے جہاد یا مجلس مشاورت، یا کوئی مشترکہ مفادات کے لئے اجتماع ہو۔ خواہ ایسی میٹنگ جنگ یا حالات جنگ سے تعلق رکھتی ہو یا حالت امن سے، مومنوں کا یہ کام نہیں کہ آپ سے اجازت لئے بغیر وہاں سے چل دیں۔ ہاں اگر انہیں کسی ضروری کام کی بنا پر اس مجلس و اجتماع کے اختتام سے پہلے واپس آنا ضروری ہو تو وہ اس سے رخصت ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ اجازت لئے بغیر وہاں سے چلے نہیں آتے۔ اگر وہ اپنی کوئی ضرورت آپ سے بیان کریں۔ تو انہیں اجازت دینا آپ کی صوابدید پر منحصر ہے اور اگر آپ یہ سمجھیں کہ اس کا ذاتی کام اس اجتماعی مفاد کے مقابلہ میں کچھ اہمیت نہیں رکھتا تو بے شک آپ انہیں اجازت نہ دیں۔ اور اگر آپ انہیں اجازت دے دیں تو ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کیجئے۔ کیونکہ اپنی کسی ذاتی غرض کی خاطر اجتماعی معاملات اور آپ کی صحبت سے محروم رہنا حقیقتاً دنیا کو دین پر ترجیح دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اگر کسی مخلص مومن کو اس کی التجا کی بنا پر آپ اجازت دے بھی دیں تو اس کے حق میں آپ کے استغفار کی برکت سے اس تقصیر کا تدارک ہو سکے گا۔ ضمناً اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی واقعی ضرورت کے بغیر ایسے اجتماعی مفاد کی مجلس سے اجازت طلب کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں یہ حکم آپ ﷺ کی ذات یا آپ کی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین یا کسی بھی اسلامی حکومت کے ایسے مشترکہ مفاد کی مجلس سے بلا اجازت چلے آنا آداب مجلس کے بھی خلاف ہے اور شرعاً ناجائز بھی ہے مجلس کو چھوڑ کر جانے کا جواز صرف اس صورت میں ہے کہ فی الحقیقت کوئی ضرورت لاحق ہو جس کی بنا پر میر مجلس سے رخصت ہونے کی اجازت حاصل کی جائے۔ اور اگر میر مجلس اس کو اجازت دینے یا اس کے ذاتی کام کے مقابلہ میں اس کے شریک مجلس رہنے کو زیادہ اہم سمجھتا ہو اور وہ اجازت نہ دے تو کسی مومن کو اس سے کچھ شکایت نہیں ہونا چاہئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ

تو ان میں سے جسے آپ چاہیں اجازت دیں (اور جسے چاہیں نہ دیں) اور ان کیلئے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔(۶۲) (مسلمانو!) رسول کے بلانے کو ایسا نہ سمجھ لو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے[۱۰۰] کو بلاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے چپکے سے[۱۰۱] کھسک جاتے ہیں لہٰذا جو

[۱۰۰] ۞ رسول اللہ ﷺ کا ادب واحترام:۔ اس جملہ کے تین مطلب ہو سکتے ہیں اور تینوں ہی درست ہیں۔ ایک یہ کہ رسول کو ایسے نہ بلایا کرو جیسے تم ایک دوسرے کو بے تکلفی سے بلاتے رہتے ہو۔ بلکہ انہیں بلانا ہو تو ان کا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھا کرو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول تمہیں بلائیں تو ایسا نہ سمجھو جیسے کوئی عام آدمی بلا رہا ہے کہ جی چاہے تو جواب دے دو یا نہ دو یا اگر جی چاہے تو ان کے پاس حاضر ہو جاؤ اور چاہے تو نہ آؤ۔ بلکہ ان کے بلانے پر تم پر واجب ہو جاتا ہے کہ تم ان کے پاس حاضر ہو جاؤ اور ان کی بات سنو پھر اسے بجا لاؤ۔ اور یہ مطلب قرآن کریم کی ایک دوسری آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (۸:۲۴) سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

سیدنا سعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نماز پڑھ رہا تھا آپ ﷺ میرے سامنے گزرے اور مجھے بلایا۔ میں نماز پڑھ کر حاضر ہوا تو مجھے فرمایا: تم میرے بلانے پر کیوں نہ آئے؟ کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (بخاری۔ کتاب التفسیر۔ زیر آیت مذکورہ)

اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ اگر کوئی شخص فریضہ نماز بھی ادا کر رہا ہو تو رسول کے بلانے پر اسے نماز تک چھوڑ کر فوراً حاضر ہو جانا چاہئے۔ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ رسول ﷺ کی دعا کو یوں نہ سمجھو جیسے کسی عام آدمی کی دعا ہے۔ بلکہ تمہارے حق میں رسول ﷺ کی دعا تمہاری دنیا اور تمہاری آخرت سنوارنے کا موجب بن سکتی ہے اسی طرح ان کی بددعا تمہیں تباہ و برباد بھی کر سکتی ہے۔ لہٰذا ان کی اطاعت کر کے انہیں خوش رکھنے اور ان کی دعا لینے کی کوشش کیا کرو۔

[۱۰۱] دن کے پچھلے حصہ (اصیل) میں تو تین نمازیں آجاتی ہیں۔ مگر پہلے حصے میں ایک بھی فرض نماز نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ دن کے پہلے حصہ میں کوئی ایسی وحی آجاتی جس سے مسلمانوں کو فوری طور پر آگاہ کرنا ضروری ہوتا تھا۔ اس غرض سے مسجد نبوی میں اذان کہہ کر مسلمانوں کو بلا لیا جاتا۔ آپ وحی سناتے۔ خطبہ ارشاد فرماتے اور حالاتِ حاضرہ سے متعلق بعض دفعہ مشورے بھی مقصود ہوتے تھے اور بعض دفعہ اللہ کے احکام کی فوری نشر واشاعت..... اسی سلسلہ میں منافق بھی ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ضرور ہو جاتے اور یہ بات نفاق کا شبہ دور کرنے کی خاطر ان کے لئے ضروری بھی ہوتی تھی۔ حاضری لگوا لینے کے بعد وہ اس انتظار میں رہتے تھے کہ موقع ملے تو چپکے سے کھسک جائیں اور بمصداق جو ئندہ یابندہ وہ کھسک بھی جایا کرتے تھے۔ اس آیت میں ایسے ہی لوگوں کو خطاب کیا جا رہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۱۵

لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں [۱۰۲] انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے۔(۶۳) یاد رکھو! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم جس روش پر بھی ہو اللہ اسے جانتا ہے۔ اور جس دن لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ [۱۰۳] انہیں بتادے گا کہ وہ کیا کرتے رہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔(۶۴)

[۱۰۲] رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر عذاب کی وعید:۔ ربط مضمون کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر منافقوں کا آپ کی دعوت کو ناگوار محسوس کرنا، کھسک جانے کی کوشش کرنا۔ آپ کے نصائح پر توجہ نہ دینا یا آپ کی دعوت کو کچھ اہمیت نہ دینا۔ یہ سب رسول کی مخالفت میں آتی ہیں۔ تاہم رسول کی مخالفت کا دائرہ اس سے وسیع تر ہے اور منافقوں کے لئے یہ فتنہ کیا کم ہے کہ ان کے دلوں میں کفر و نفاق جڑ پکڑ جائے اور انہیں اپنی ایسی کرتوتیں بھی اچھی نظر آنے لگیں۔ تاہم آیت کے اس حصہ کا حکم عام ہے جو منافقوں اور مسلمانوں سب کو شامل ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ رہا فتنہ کا مفہوم تو اس کی بے شمار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ سب سے واضح صورت مسلمانوں کا داخلی انتشار اور ان کی اجتماعی قوت کا کمزور ہونا اور ان پر ظالم اور جابر حکمران کا مسلط ہو جانا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے جب احکامِ شرعیہ کو پس پشت ڈال دیا جائے۔

[۱۰۳] یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے کھسک جاتے ہیں یا اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے ہیں اور اس کی راہ روکنے کے لئے سازشیں تیار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ رسول یا دوسرے مسلمانوں کی نظروں سے تو اوجھل رہ سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تو ان کے اعمال و افعال تو در کنار ان کے دلوں کے خیالات تک سے واقف ہے اور انہیں سزا دینے پر قادر بھی ہے۔ لہٰذا قیامت کے دن وہ سب کو اپنے حضور اکٹھا کر کے انہیں ان کی کرتوتیں بتا بھی دے گا اور ان کی سزا بھی دے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سورۃ الفرقان مکیۃ
۷۷ آیاتھا رکوعھا ٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝۱ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کلمات ۹۰۶ آیت ۷۷ (۲۵) سورہ الفرقان مکی ہے (۴۲) رکوع ٦ حروف ۳۹۱۹

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

متبرک[۱] ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے[۲] پر فرقان[۳] (قرآن) نازل کیا تاکہ وہ کل اہل عالم کیلئے (برے انجام سے) ڈرانے والا[۴] بن جائے۔(۱) وہی ذات جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کی مالک[۵] ہے جس

[۱] تبارک کا لغوی مفہوم:۔ تبارک کا مادہ ب ر ک ہے۔ اسی سے لفظ برکت ہے اور کسی چیز سے زیادہ سے زیادہ متوقع یا غیر متوقع فوائد حاصل ہو جانے کا نام برکت ہے۔ اور بابرکت وہ ذات ہے جو دوسروں کو زیادہ سے زیادہ متوقع اور غیر متوقع فوائد پہنچانے والی ہو۔ علاوہ ازیں تبارک کے لفظ میں بلندی اور تقدس کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور یہ لفظ اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

[۲] مسلمانوں کا اپنے نبی کی شان میں غلو:۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اپنے پیارے رسول کے لئے عبد کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی امتوں نے بھی اپنے رسول کی شان میں عقیدت مندی کی بنا پر غلو کیا تھا اور انہیں ان کے حقیقی مقام سے اٹھا کر اللہ کے ساتھ جا ملایا تھا۔ یہود نے کہا کہ عزیرؑ کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہے اور وہ اللہ کے اوتار تھے، ہندوؤں میں بھی اوتار یا حلول کا عقیدہ بکثرت پایا جاتا ہے اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بھی کہا بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ ہی بنا دیا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں اپنی امت کو تنبیہ فرمائی کہ ”مجھے میری حد سے ایسے نہ بڑھانا چڑھانا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو چڑھا دیا میں تو اللہ کا بندہ ہوں لہذا تم یوں کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول“ (بخاری، کتاب بدء الخلق۔ باب واذکر فی الکتاب مریم)

لیکن افسوس ہے کہ آپ کی اس تنبیہ کے باوجود مسلمانوں نے بھی وہی کچھ کیا جو پہلی امتیں کرتی رہیں۔ مسلمانوں کے طبقہ نے آپ کو نور من نور اللہ قرار دیا۔ اور کچھ لوگوں نے یوں کہا:

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

یہود و نصاریٰ نے تو اس حلول کے عقیدہ کو انبیاء تک محدود رکھا تھا مگر مسلمانوں نے یہ کمال دکھایا کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے بزرگوں میں بھی اللہ کے حلول کا عقیدہ اپنا لیا۔ اسی طرح کا ایک دوسرا شعر:

اپنا اللہ میاں نے ہند میں نام
رکھ لیا خواجہ غریب نواز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی اسی عقیدہ حلول کی وضاحت کر رہا ہے۔

❁ عبداللہ بن سبا یہودی کا کردار:۔ اسلام میں اس عقیدہ کو داخل کرنے والا ایک یہودی عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ یمن کے شہر صنعاء کا رہنے والا اور نہایت ذہین و فطین آدمی تھا۔ جب اس نے یہ معلوم کر لیا کہ عملی میدان میں مسلمانوں سے انتقام لینے کی یہودیوں میں سکت باقی نہیں رہ گئی تو اس نے فریب کاری کے طور پر اسلام قبول کیا اور درویشی کا لبادہ اوڑھ کر زہد و تقویٰ کے روپ میں سامنے آتا۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان ہوا اور حالات کے دھارے کا انتظار کرتا رہا۔ اس کی یہ سازشی تحریک انتہائی خفیہ طور پر مکہ اور مدینہ سے اور دوسرے علاقوں مثلاً کوفہ، بصرہ اور مصر میں اپنا کام کر رہی تھی۔ بالآخر اسی یہودی کے حامیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر مختلف الزامات عائد کئے اور موقعہ پا کر غنڈہ گردی کر کے ۳۵ھ میں انہیں شہید کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام کے جسم پر اس نے دو طرح کے وار کئے اور اپنی سازش کی کامیابی کے لئے سیدنا علی کو بطور ہیرو منتخب کیا۔ اس کا پہلا وار یہ تھا کہ نو مسلم عجمی لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ رسول اکرم ﷺ سے قرابتداری کی بنا پر خلافت کے اصل حقدار سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اور پہلے تین خلیفوں نے ان کا حق غصب کیا ہے۔ نئے مسلمان ابھی اسلامی تعلیمات سے پوری طرح آگاہ نہیں تھے، دنیا کے عام دستور وراثت و نیابت کے مطابق اس کی چال میں آ گئے۔ اور دوسرا وار دین طریقت کو اسلام میں داخل کرنا تھا۔ وہ خود درویشی کے روپ میں سامنے آیا تھا۔ لہٰذا ظاہر اور باطن کی تفریق کر کے اور شریعت و طریقت کے رموز بتا کر ان نو مسلموں میں دین طریقت کے ملحدانہ اور کافرانہ نظریات داخل کر دیئے اور بتایا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اللہ کی ذات کا مظہر ہیں اور اللہ ان کے بدن میں حلول کر گیا ہے۔ گویا اسلام میں سیدنا علی وہ پہلے شخص ہیں جن کے متعلق حلول کا عقیدہ اپنایا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حلول کا عقیدہ تو بہت زمانہ بعد کی پیداوار ہے۔

❁ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا آپ کو اللہ کہنے والوں کو سزا دینا:۔ عبداللہ بن سبا نے خود ایک دفعہ کوفہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے رمز و کنایہ کی زبان میں کہا انت ھو یعنی "تو وہی ہے" تو علی رضی اللہ عنہ اس کے نظریہ کو بھانپ گئے اور اسے سخت سرزنش کی اور بعد میں اسے سزا دینے کے لئے بلا بھیجا تو معلوم ہوا کہ وہ کوفہ سے راہ فرار اختیار کر چکا ہے۔ بہر حال اس نے اپنے معتقدین کی ایک جماعت تیار کر لی تھی۔ ایک دفعہ یہ لوگ علی الاعلان بازار میں کھڑے ہو کر اپنے اسی عقیدہ کا پرچار کر رہے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر نے یہ باتیں سنیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جا کر اطلاع دی کہ کچھ لوگ آپ کو اللہ کہہ رہے ہیں۔ اور آپ میں خدائی صفات مانتے ہیں۔ آپ نے ان کو بلایا اور قوم زط کے ستر اشخاص تھے آپ نے ان سے پوچھا "تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے رب ہیں اور خالق اور رازق ہیں" آپ نے فرمایا: "تم پر افسوس! میں تو تم ہی جیسا ایک بندہ ہوں اور تمہاری طرح کھانے پینے کا محتاج ہوں۔ اگر اللہ کی اطاعت کروں گا تو مجھے اجر دے گا اور نافرمانی کروں گا تو سزا دے گا۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈر جاؤ اور اس عقیدہ کو چھوڑ دو"۔

دوسرے دن قنبر نے پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ وہ لوگ پھر وہی کچھ کہہ رہے ہیں۔ آپ نے دوبارہ انہیں بلایا اور تنبیہ کی۔ لیکن پھر بھی یہ لوگ باز نہ آئے۔ تیسرے دن آپ نے انہیں بلا کر یہ دھمکی بھی دی کہ اگر تم نے پھر یہی بات کہی تو میں تم کو نہایت بُری سزا دوں گا۔ مگر اس جماعت کا سرغنہ عبداللہ بن سبا تو ایک خاص مشن کے تحت یہ تحریک چلا رہا تھا۔ لہٰذا یہ لوگ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اپنی بات پر اڑے رہے۔ آپ نے ایک گڑھا کھدوایا جس میں آگ جلائی گئی اور ان سے کہا۔ "دیکھو اب بھی باز آجاؤ ورنہ اس گڑھے میں پھینک دوں گا مگر وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے آگ میں پھینک دیئے گئے" (فتح الباری۔ ج ۱۲، ص ۲۳۸)

امام بخاری نے یہ حدیث مختصر اکتاب استتابة المرتدین میں درج فرمائی ہے اور ان حلولیوں کے لئے "زنادقہ" کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اگر میں حاکم ہوتا تو ان کو جلانے کے بجائے ان کے قتل پر اکتفا کرتا۔

حلول کا عقیدہ رکھنے والے وہ لوگ جو بچ رہے تھے اپنے عقیدہ میں اور بھی سخت ہوگئے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ آگ اور پانی سے عذاب دینا صرف اللہ کو سزاوار ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی چونکہ آگ سے جلایا ہے لہذا وہ عین اللہ ہیں۔ وہ زبان سے یہ کہتے تھے کہ لایعذب بالنار الا رب النار "یعنی آگ کا رب ہی آگ سے سزا دیتا ہے"

عبداللہ بن سبا کا یہ عقیدہ اس کے پیروکار نصیریہ، کیسانیہ، قرامطیہ اور باطنیہ سے ہوتا ہوا صوفیاء کے اندر داخل ہوگیا حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ) اس عقیدہ کا علمبردار اعلیٰ تسلیم کیا جاتا ہے اور اسلام میں یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے خود اپنی ذات کے متعلق کھل کر یہ دعویٰ کیا کہ اللہ اس کے اندر حلول کر گیا ہے۔ گویا اس سے پہلے بھی کچھ صوفیاء اس عقیدہ کے حامی اور اسے اپنے سینوں میں چھپائے رکھتے تھے، مگر عقیدہ کو شہرت دوام حلاج ہی کی ذات سے ہوئی۔ وہ خود انا الحق کا دعویٰ کرتا تھا سمجھانے کے باوجود جب وہ اپنے عقیدہ پر مصر رہا تو خلیفہ بغداد المقتدر باللہ نے علماء سے فتویٰ لینے کے بعد ۲۴ ذی قعدہ ۳۰۹ھ (۹۱۴ء) کو بغداد میں قتل کر دیا اور اس "خدا" کی لاش کو جلا کر دریا میں پھینک دیا گیا اور اس کی خدائی اپنے آپ کو بھی موت اور لاش کو جلنے کے عذاب سے بچا نہ سکی۔ مگر حیرت تو اس بات پر ہے کہ حسین بن منصور کے اتنے شدید جرم کے صوفیاء کی اکثرت نے اس کے حق پر ہونے کی حمایت کی لہذا حلول کا عقیدہ آج تک مسلمانوں میں متوارث چلا آرہا ہے۔ چنانچہ امام اہل سنت رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

سوال: منصور، تبریز اور سرمد نے ایسے الفاظ کہے جن سے خدائی ثابت ہے (یعنی یہ تینوں حضرات خدائی کے دعویدار تھے) لیکن وہ ولی اللہ گنے جاتے ہیں۔ جبکہ فرعون، شداد، ہامان، اور نمرود نے یہی دعویٰ کیا تھا تو وہ دائمی جہنمی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ان کافروں نے خود کہا اور ملعون ہوئے اور انہوں نے (یعنی منصور، تبریز اور سرمد نے) خود نہ کہا۔ اس نے کہا جسے کہنا شایاں ہے۔ اور آواز بھی انہی سے مسموع ہوئی۔ جیسے سیدنا موسیٰ نے درخت سے سنا۔ اِنی انا اللہ میں ہوں اللہ رب سارے جہان کا، کیا درخت نے کہا تھا؟ ۔۔۔۔۔ نہیں' بلکہ اللہ نے۔ یونہی یہ حضرات اس وقت شجر موسیٰ ہوتے ہیں" (احکام شریعت ص ۹۳)

❁ اہل سنت اور عقیدہ حلول:۔ اس جواب میں نشان زدہ الفاظ پر اور اس کی دلیل پر غور فرمایئے اور دیکھئے کہ امام اہل سنت عقیدہ حلول کی کس قسم کے اسرار و رموز سے وکالت فرما رہے ہیں۔ فرعون، شداد، نمرود اور ہامان وغیرہ کو اللہ نے جہنمی قرار دیا اور اس کی اطلاع قرآن میں دی ہے۔ حلاج و سرمد وغیرہ کو ولی تو آپ لوگ کہتے ہیں۔ عامۃ المسلمین اور علماء نے تو منصور کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



زندیق اور کافر قرار دے کر اس کے قتل کا فتویٰ صادر کیا تھا اور باقی دو کا انجام اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر یہی امام اہل سنت فرماتے ہیں کہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم حضور اقدس وانور سید عالم کے وارث کامل ونائب تام آئینہ ذات ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنی جمیع صفات جمال وجلال وکمال وافضال کے ان میں متجلی ہیں۔ جس طرح ذات عزت احدیت مع جملہ صفات ونعوت وجلالت آئینہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تجلی فرماہے" (فتاویٰ افریقہ ص ۱۰۱)

گویا امام صاحب کے اس ارشاد نے واضح طور پر بتادیا کہ اللہ کی ذات رسول اللہ کی ذات میں جلوہ گر ہے۔ اسی طرح غوث اعظم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جلوہ گر ہے یہ ہے حلول کا وہ نظریہ جسے صوفیاء کے ہی ایک طبقہ نے گمراہ کن نظریہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ شرک فی الصفات کے علاوہ شرک فی الذات کی بھی واضح دلیل ہے۔ اسی باطل نظریہ کے رد میں اللہ نے سورہ نساء میں فرمایا:

﴿يَاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِي دِيْنِكُمْ وَلَاتَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّاالْحَقَّ﴾ (۴:۱۷۱) "اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور وہی بات کہو جو حق ہو"

اور سورہ مائدہ میں فرمایا:

﴿يَاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِي دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ (۵:۷۷) "اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو"

[۳] ۞ فرقان کا مفہوم:۔ فرقان مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی حق وباطل کو یا کفر اور ایمان کو بالکل الگ الگ کر کے دکھانے والا اور اس سے مراد قرآن ہے۔ جس نے ایمان اور اس کے مقابلہ میں کفر وشرک اور نفاق کی ایک ایک خصلت کو یوں واضح کر کے بتادیا ہے کہ کچھ ابہام باقی نہیں رہتا۔ اور بعض علماء نے فرقان سے مراد حلت وحرمت کے احکام کو جدا جدا کر کے واضح طور پر بتانے والا لیا ہے۔ اور یوم الفرقان سے مراد غزوہ بدر کا دن ہے جو حق وباطل کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ ثابت ہوئی۔

[۴] ۞ آپ کی رسالت اور قرآن کی ہدایت قیامت تک سب لوگوں کے لئے ہے:۔ لیکون کی ضمیر عبدہ کی طرف بھی راجع قرار دی جاسکتی ہے اور فرقان یعنی قرآن کی طرف بھی اور صاحب قرآن کی طرف بھی۔ کیونکہ قرآن اور صاحب قرآن دونوں کی دعوت ایک ہی ہے۔ قرآن مراد لینے کی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن سب لوگوں کے لئے تاقیامت کتاب ہدایت ہے اور صاحب قرآن مراد لینے کی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ آپ تاقیامت تمام تر لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اور قرآن ہو یا صاحب قرآن دونوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے برے اعمال کے برے انجام سے خبردار کیا جائے۔

[۵] ۞ اللہ کی اولاد نہ ہونے پر استدلال:۔ یعنی پوری کائنات کا مکمل اقتدار واختیار آج کی زبان میں اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) اسی کے ہاتھ میں ہے اور جب یہ بات تسلیم کرلی جائے تو سب قسم کے شریکوں کی از خود نفی ہو جاتی ہے کیونکہ سب چیزیں اللہ کی مملوک اور وہ ان کا مالک ہے۔ اور بیٹا چونکہ مملوک نہیں ہوتا اور ہم یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی مملوک ہے تو اس کا کسی سے نسبی تعلق ہونے کی بھی از خود نفی ہو گئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿٢﴾ وَاتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا
يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿٣﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ

نے نہ کسی کو بیٹا بنایا اور نہ ہی اس کی حکومت میں کوئی شریک ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا تو اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ[۶] کیا(۲) اور (لوگوں نے) اللہ کے سوا کئی اور الٰہ بنا ڈالے جو کوئی چیز پیدا تو کیا خاک کریں گے وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں، انہیں خود اپنے نفع و نقصان کا بھی کچھ اختیار نہیں اور نہ ہی انہیں کسی کو مارنے،[۷] زندہ کرنے اور مردہ کو اٹھا سکنے کا کچھ اختیار ہے۔(۳)

کافر لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو محض جھوٹ ہے جسے اس نے خود بنا ڈالا ہے اور کچھ

[۶] ۞ ہر چیز کے متعلق اللہ کا اندازہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو، خواہ وہ جاندار ہے یا بے جان، پیدا بھی کیا پھر اس نے ہر ایک چیز کا وظیفہ اور اس کے لئے قوانین بھی بنا دیئے۔ جن سے وہ تجاوز نہیں کر سکتی۔ مثلاً کوئی جاندار ایسا نہیں جسے موت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ ہر چیز جو بنتی ہے وہ ضرور کسی نہ کسی وقت فنا بھی ہو جائے گی۔ پانی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی وقت بلندی کی طرف بھی بہنا شروع کر دے یا پستی کی طرف بہنا رک جائے۔ نہ آگ کے لئے ممکن ہے کہ وہ ٹھنڈک پہنچانا شروع کر دے۔ آپ کسی کتے کو عمدہ اور بکثرت غذائیں کھلا پلا کر گھوڑے کے قد کے برابر نہیں کر سکتے غرض ہر ایک چیز کیلئے کچھ حدود اور کچھ وظائف اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں۔ اور یہی ہر چیز کے لئے اللہ تعالیٰ کا اندازہ ہے۔

[۷] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت کے کئی معیار بیان فرمائے ہیں اور مشرکوں کو عام دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو ان معیاروں پر جانچ کر دیکھیں اور پھر بتائیں کہ آیا ان کے معبودوں میں الوہیت کا کوئی شائبہ تک بھی پایا جاتا ہے مثلاً

(۱) جو ہستی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے یا کسی بھی چیز کی خالق نہ ہو وہ معبود نہیں ہو سکتی۔

(۲) جو چیز خود پیدا شدہ ہو یا مخلوق ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو چیز پیدا ہوئی ہے وہ فنا بھی ضرور ہو گی۔ اور فنا ہونے والی چیز الٰہ نہیں ہو سکتی۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ مشرکوں کے معبود خواہ وہ بت ہوں جنہیں انہوں نے خود ہی گھڑ رکھا ہے یا فرشتے ہوں یا کوئی اور چیز مثلاً: سورج، چاند، تارے، شجر، حجر ہوں۔ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ لہٰذا ان میں کوئی چیز بھی الوہیت کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔

(۳) جو ہستی کسی دوسرے کو فائدہ یا نقصان نہ پہنچا سکتی ہو بالفاظ دیگر وہ حاجت روا یا مشکل کشا نہ ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ صفات ہیں جنہیں مشرکین اللہ کے سوا بعض دوسری ہستیوں میں (خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان، زندہ ہوں یا مر چکی ہوں) تسلیم کرتے ہیں اور شرک کی یہی قسم سب سے زیادہ عام ہے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ:

(۴) ۞ الوہیت کے سلبی معیار:۔ جو چیز اپنے ہی نفع و نقصان کی بھی مالک نہ ہو، وہ دوسرے کسی کی حاجت روا یا مشکل کشا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ

دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ کتنا بڑا جھوٹ اور ظلم ہے جس پر [۸] یہ لوگ اتر آئے ہیں۔(۴) نیز وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی داستانیں ہیں جنہیں اس نے نقل کرالیا ہے سو وہی

نہیں ہو سکتی۔ اور یہ معیار بھی ایسا معیار ہے جس کے مطابق اللہ کے سوا تمام تر معبود باطل قرار پاتے ہیں۔ پتھر کے معبودوں کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے توڑ پھوڑ ڈالا تو وہ ان کا بال بیکا نہ کر سکے۔ رہے بزرگانِ دین (خواہ وہ پیغمبر ہو یا ولی، زندہ ہو یا فوت ہو چکے ہوں) سب کو ان کی زندگی میں بے شمار تکلیفیں پہنچتی رہیں لیکن وہ اپنی بھی تکلیفیں اور بیماریاں خود رفع نہ کر سکے تو دوسروں کی کیا کرتے یا کیا کریں گے۔ اس لئے بس وہ اللہ سے دعا ہی کرتے رہے۔ رہے شمس و قمر، تارے اور فرشتے تو یہ سب ایسی مخلوق ہیں جنہیں اپنا اختیار کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ نے انہیں جس کام پر لگا دیا ہے اس کے سوا وہ کوئی دوسرا کام کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا وہ بھی الوہیت کے معیار پر پورے نہیں اتر سکتے۔

(۵) الوہیت کا پانچواں معیار یہ ہے کہ وہ ہستی کسی زندہ چیز کو مار بھی سکتی ہو اور مردہ چیز کو زندہ بھی کر سکتی ہو۔ اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ ہر وقت زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ چیزیں پیدا کر رہا ہے۔ اور دوسرے معبودوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے چیلنج کے طور پر فرمایا کہ وہ ایک حقیر سی مخلوق مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے جبکہ ان کی عاجزی کا یہ عالم ہے کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ سب مل کر اس سے اپنی سلب شدہ چیز چھڑا بھی نہیں سکتے اور مردوں کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کرنا تو اور بھی بڑی بات ہے۔

اس مقام پر الوہیت کے یہی معیار بیان کئے گئے ہیں جبکہ بعض دوسرے مقامات پر اور بھی کئی معیار مذکور ہیں: مثلاً جو خود محتاج ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ جو بے جان ہوں الٰہ نہیں ہو سکتا، جو کھانا کھاتا ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا، جو نہ سن سکتا ہو نہ دیکھ سکتا ہو یا جواب نہ دے سکتا ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ وغیرہ وغیرہ

[۸] ۞ مستشرقین کا یہ الزام کہ آپ نے علماء یہود و نصاریٰ سے کسبِ فیض کیا تھا اور اس کے جوابات:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قرآن کو تصنیف کرنے کا الزام اس دور کے مشرکین مکہ کو ہی نہ تھا، آج کے مستشرقین بھی اپنی تحقیق و تنقید کی آڑ میں کچھ ایسا ہی الزام لگا رہے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ آج کے ان محققین کا یہ کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پیشتر کئی تجارتی سفر کئے یہود و نصاریٰ کے کئی علماء سے آپ کی ملاقات ہوئیں اور اس سلسلہ میں بالخصوص بحیرا راہب کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ تو انہیں ملاقاتوں کے دوران آپ ﷺ نے ان علماء سے کسبِ فیض کیا۔ پھر اسے اپنے انداز میں اور اپنی زبان میں عربوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہی وہ قصص انبیاء یا سابقہ اقوام کی تاریخ تھی جسے آپ نے نبوت کے نام سے پیش کیا۔

مستشرقین کے اس اعتراض کے باطل ہونے کی بے شمار وجوہ ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ آپ ﷺ نے جب بھی کوئی تجارتی سفر کیا تو اکیلے نہیں کیا تھا بلکہ اپنی قوم کے لوگوں کے ہمراہ کیا تھا۔ اگر آپ ﷺ نے علمائے یہود و نصاریٰ سے کچھ ملاقاتیں کی تھیں یا ان سے کسبِ علم کیا تھا تو اس بات کا سب سے زیادہ علم آپ کے ہمراہیوں کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ نبوت سے پیشتر ان لوگوں نے آپ پر کوئی ایسا اعتراض نہیں کیا تھا۔ پھر جس بات کا علم آپ کے ہمراہیوں کو نہ ہو سکا تھا ان لوگوں کو کیسے ہو گیا؟

۲۔ نبوت سے پہلے اگر آپ نے علمائے یہود و نصاریٰ سے کچھ کسب علم کیا تھا تو ضروری تھا کہ اس کا اظہار دانستہ طور پر یا نادانستہ طور پر نبوت سے پہلے بھی ہو جاتا۔ خواہ آپ اسے چھپانے کی کتنی ہی کوشش کرتے۔ نبوت سے پیشتر کوئی ایسی بات آپ کی زبان سے نہ نکلنا ہی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ یہ اعتراض سراسر باطل اور لغو ہے۔

۳۔ قرآن میں کئی ایسی پیشین گوئیاں مذکور ہیں جو آپ کی زندگی میں حرف بحرف پوری ہو گئیں اور ان کا علمائے یہود و نصاریٰ کو کسی طرح بھی علم نہ ہو سکتا تھا۔ جیسے روم کا شکست کھانے کے بعد ایران پر دوبارہ غلبہ یا کافروں کی مخالفانہ بھرپور کوششوں کے باوجود اسلام کا غلبہ اور کفار و مشرکین کی ذلت آمیز شکست وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ قرآن میں بے شمار ایسی آیات نازل ہوئیں جن کا ان کے پس منظر سے گہرا تعلق ہے۔ مثلاً جنگ بدر کے بعد اموال غنیمت میں تنازعہ کے موقع پر سورہ انفال کا نزول لعان اور ظہار کے احکام کا نزول، واقعہ افک کے بعد قذف اور زنا کی حدود کے احکام کا نزول۔ ایسی آیات کا بھلا علمائے یہود و نصاریٰ کا پہلے سے کیونکر علم ہو سکتا تھا اور وہ ایسے حکیمانہ احکام کیسے بتا سکتے تھے۔

۵۔ قرآن میں بے شمار مقامات پر یہود و نصاریٰ کے عقائد اور ان کے اخلاق و کردار پر تنقید کی گئی ہے کیا یہ باتیں بھی علمائے یہود و نصاریٰ آپ کو بتا سکتے تھے؟ غرضیکہ اس اعتراض پر جتنا بھی غور کیا جائے اس کو باطل قرار دینے کی اور بھی کئی وجوہ سامنے آتی جائیں گی۔

❁ مشرکین کا یہ الزام کہ آپ کو کوئی سکھاتا ہے کے جوابات:۔ اور مشرکین مکہ کا آپ پر جو اعتراض تھا وہ نبوت کے بعد کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ چند یہودی پڑھے لکھے غلام مسلمان ہو گئے تھے۔ مشرکوں کو اعتراض یہ تھا کہ آپ ﷺ نے یہ باتیں ان سے سیکھی ہیں۔ ابتداءً صرف دو نمازیں فرض تھیں ایک صبح کی اور ایک شام کی۔ ان نمازوں کے اوقات میں مسلمان دار ارقم میں اکٹھے ہوتے۔ تو اگر کچھ وحی اس دوران نازل ہوتی تو آپ نماز کے لئے آنے والے مسلمانوں کو سنا دیتے۔ اس بات سے بتنگڑ یہ بنایا گیا کہ صبح و شام جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں تو یہی یہودی پڑھے لکھے غلام مسلمان اقوام سابقہ اور انبیائے سابقہ کے حالات بیان کرتے ہیں جو ساتھ ساتھ لکھ بھی لئے جاتے ہیں اور پڑھے اور سنے سنائے بھی جاتے ہیں۔ پھر انہی باتوں کو اللہ کی طرف سے منسوب کر کے قرآن کے نام سے دوسروں کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ یہ اعتراض درج ذیل وجوہ کی بنا پر باطل ہے:

۱۔ اگر یہ یہودی غلام جو مسلمان ہو گئے تھے آپ کے استاد یا معلم ہوتے تو وہ آپ کے فرمانبردار بن کر نہیں رہ سکتے تھے۔ پھر فرمانبرداری بھی ایسی جو جانثاری کی حد تک پہنچ چکی ہو۔

۲۔ اگر بفرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ دنیوی مفادات کی خاطر ایسا سمجھوتہ کر لیا گیا تھا تو آپ کے نزدیک آپ کے مقرب وہ یہودی غلام ہونے چاہئیں تھے نہ کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، یا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ وغیرہم

۳۔ علاوہ ازیں ان پر بھی وہ سب اعتراض وارد ہوتے ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔ مثلاً قرآن کی پیشین گوئیاں، موقع اور ضرورت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ
فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ
لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ

داستانیں صبح و شام اس کے پاس پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔(۵) آپ ان سے کہئے کہ قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید[۹] جانتا ہے اور وہ یقیناً بہت بخشنے والا، رحم والا ہے۔(۶) نیز کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں[۱۰] میں چلتا پھرتا ہے۔ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور لوگوں کو ڈرایا[۱۱] کرتا(۷) یا اس پر کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا،[۱۲] جس سے یہ (اطمینان کی) روزی کھا سکتا۔ اور ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک جادو شدہ آدمی[۱۳] کے پیچھے لگ گئے ہو"(۸) اے نبی! غور کیجئے

کے مطابق احکامِ الٰہی کا نزول اور یہود کے اخلاق و عقائد پر کڑی تنقید وغیرہ۔

لہٰذا یہ اعتراض قرآن کریم کی داخلی، خارجی شہادت اور عقلی دلائل کے لحاظ سے محض ایک افتراء اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔

[۹] ❁ قرآن کو نازل کرنے والا صرف ایک اللہ ہی ہو سکتا ہے:۔ اس کے بعد اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ قرآن کسی ایسی باخبر اور حکیم ہستی کی طرف نازل شدہ ہو جو ماضی کے حالات سے خوب واقف اور ان یہود و نصاریٰ کی کارستانیوں سے بھی باخبر ہو۔ زمانہ حال کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہو اور موقع و محل اور احوال و ظروف کے مطابق ایسے احکام نازل کرتا ہو جو سراسر عدل اور حکمت پر مبنی ہوں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات بھی اس کے سامنے ہوں۔ پھر اس کا انداز خطاب بڑا دل نشین اور اثر کے لحاظ سے دل کی گہرائیوں تک اتر جانے والا ہو۔ اور اس کے مقابلہ میں کلام پیش کرنا ناممکنات سے ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہو سکتی ہے۔

[۱۰] کفار کا یہ جاہلانہ اعتراض بھی قرآن میں متعدد مقامات پر دہرایا گیا ہے اور وہ اعتراض یہ ہے کہ رسول کم از کم کوئی مافوق البشر ہستی ہونا چاہئے۔ جو حوائجِ بشریہ سے بے نیاز ہو۔ یا کم از کم دنیوی دھندوں سے آزاد اور تارک دنیا قسم کے لوگوں سے ہو۔ اس اعتراض کا جواب بھی پہلے کئی مقامات پر دیا جا چکا ہے۔

[۱۱] یعنی وہ کافر جو اس پیغمبر کی بات کو درست تسلیم نہ کرتا، فرشتہ اسے ڈراتا، دھمکاتا یا مار مار کر کچومر نکال دیتا۔ تاکہ لوگ نبی کی دعوت کا انکار کرنے کی جرأت ہی نہ کر سکتے اور اس طرح اس کی اپنی ہی ایک جمعیت بن جاتی۔

[۱۲] اس پیغمبر کو کم از کم فکرِ معاش سے تو آزاد ہونا چاہئے تھا۔ اگر کوئی رئیس اور خزانوں کا مالک ہوتا تو لوگ خود اس سے ملاقات کی آرزو کرتے پھر یہ جسے چاہتا اجازت دیتا ورنہ نہ دیتا اور ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ رہتا اور خزانوں کا مالک نہیں تو کم از کم کسی باغ کا ہی مالک ہوتا جس سے اس کی گزر بسر ہوتی رہتی۔

[۱۳] ❁ اہل عرب کے نزدیک مسحور کی تین صورتیں:۔ جادو شدہ آدمی سے مراد دیوانہ آدمی ہے۔ عرب میں دیوانگی کی تین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ
لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰
بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ۚ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ

یہ لوگ آپ کے لئے کس طرح کی مثالیں [۱۴] بیان کرتے ہیں۔ یہ ایسے گمراہ ہوئے ہیں کہ راہ راست پر آ ہی نہیں سکتے۔(۹) وہ بڑی برکت والی ذات ہے۔ وہ چاہے تو آپ کو ان چیزوں سے بھی بہتر چیزیں دے سکتا ہے (ایک نہیں) کئی باغ جن میں نہریں جاری ہوں اور کئی محل دے سکتا ہے۔(۱۰) لیکن بات یہ نہیں بلکہ یہ لوگ [۱۵] دراصل قیامت کو جھٹلا رہے ہیں اور جو قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔(۱۱) جب وہ دور سے انہیں (اپنے شکار کو) دیکھے گی تو یہ اس کے [۱۶]

وجوہ سمجھی جاتی تھیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص پر کسی جن بھوت کا سایہ پڑ گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی معبود، کسی بت، کسی دیوی دیوتا یا ان کے کسی بزرگ کی شان میں گستاخی کی گئی ہو اور اس کی مار پڑ گئی ہو اور تیسرے یہ کہ کسی جادوگر نے اس پر جادو کر دیا ہو۔ کفار مکہ آپ پر وقتاً فوقتاً ایسے تینوں طرح کے الزام دیتے تھے، اس مقام پر تیسری قسم کا ذکر ہوا ہے۔

[۱۴] ۞ کفار کو یہ سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ آپ پر کیا الزام لگائیں؟ یعنی کبھی کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے جو کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے کبھی کہتے ہیں کہ یہ قرآن اس نے خود ہی تصنیف کر ڈالا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں دوسروں سے بھی مدد لیتا ہے۔ کبھی آپ کو کاہن کہتے ہیں، کبھی شاعر، کبھی ساحر، جادوگر اور کبھی مسحور۔ پھر کہیں یہ کہتے ہیں کہ اسے فرشتہ ہونا چاہئے تھا۔ کبھی کہتے ہیں کہ اگر بشر ہی تھا تو کم از کم اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی رہا کرتا۔ کبھی یہ کہ اس نبی کے پاس مال و دولت کی کثرت ہونا چاہئے تھی۔ یہ سب باتیں دراصل ان کے دعوتِ حق کو قبول نہ کرنے کے بہانے ہیں۔ ہٹ دھرمی اور تعصب نے ان کو اندھا کر رکھا ہے اور ایسی بے تکی باتیں بنانے پر مجبور کر رکھا ہے۔ ان کی ان باتوں کی حیثیت "خوئے بدرا بہانہ بسیار" سے زیادہ کچھ نہیں۔ البتہ ان کی ایسی ہٹ دھرمی کی باتوں سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ دعوتِ حق کو کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔ اور ان کے یہ مطالبات اور اعتراضات محض شرارت اور تنگ کرنے کی بنا پر ہیں۔

[۱۵] یعنی اللہ اگر چاہے تو آپ کو ایک باغ کیا، ایسے بیسیوں باغ عطا کر سکتا ہے۔ اسی طرح رہائش کے لئے ایک محل کیا بیسیوں محل بھی عطا کر سکتا ہے۔ اور دوسری جن چیزوں کا یہ نام لیتے ہیں وہ بھی دینے پر قادر ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا پھر یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟ اور اس سوال کا یقینی جواب یہ ہے کہ یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ پھر اور قسم کی باتیں بنانا شروع کر دیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ سرے سے قیامت کے دن پر، دوبارہ جی اٹھنے پر اور اللہ کے سامنے حاضر ہونے پر اور اپنے برے اعمال کی سزا بھگتنے پر یقین ہی نہیں رکھتے۔ پھر یہ لوگ ایسی کٹ حجتیاں نہ کریں تو اور کریں بھی کیا؟

[۱۶] ایسے معاند اور ہٹ دھرم لوگوں کے استیصال کے لئے ہم نے جہنم کی بھڑکتی آگ کو پہلے سے ہی تیار کر رکھا ہے جب وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيرًا ﴿۱۲﴾ وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا
هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿۱۳﴾ لَّا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَّاحِدًا وَّادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ أَذَٰلِكَ
خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَّمَصِيرًا ﴿۱۵﴾ لَّهُمْ فِيهَا مَا

جوش و خروش کی آوازیں خود ہی سن لیں گے (۱۲) اور جب اس میں دست و پابستہ ایک تنگ جگہ سے پھینکے جائیں گے تو اس [۱۷] وقت موت کو پکاریں گے۔ (۱۳) (اس وقت انہیں کہا جائے گا) آج ایک نہیں بہت سی [۱۸] موتوں کو پکارو۔ (۱۴) آپ ان سے پوچھئے: کیا یہ انجام اچھا ہے یا ہمیشہ کی جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے جو ان کے عملوں کا بدلہ [۱۹] اور ان کی آخری منزل ہو گی۔ (۱۵)

اپنا شکار دیکھے گی تو فوراً جوش میں آجائے گی اور آگ کی لپٹوں کی تیزی و تندی کی وجہ سے اس میں سے کئی طرح کی غضبناک آوازیں اور پھنکاریں پیدا ہونے لگیں گی اور اس کی یہ آواز سن کر ایسے معاند اور ہٹ دھرم لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہی پتے پانی ہو جائیں گے۔

اس آیت میں جہنم کے لئے دیکھنے کا فعل یا تو مجازاً استعمال ہوا ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا گھر تو ایک عرصہ سے آپ کی راہ تک رہا ہے یا حقیقی معنوں میں بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہو تا کہ جہنم کی آگ میں شعور بھی ہو گا اور جو کوئی جتنا زیادہ مجرم ہو گا، اسی قدر وہ اس پر بپھرے گی اور اسی قدر تندی سے اسے جلائے گی۔

[۱۷] جہنم میں ہر مجرم معاند کے لئے اتنی تنگ جگہ ہو گی جہاں سے وہ ہل بھی نہ سکے گا۔ علاوہ ازیں ایک ہی نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ جہنم کے غیظ و غضب کی لپٹیں انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوں گی۔ اس وقت وہ اس مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آکر ہماری ان دردناک مصیبتوں کا خاتمہ کر دے۔

[۱۸] آج ایک موت کے لئے کیا چیخ و پکار کرتے ہو۔ سینکڑوں موتیں مانگو، تب بھی تمہارا یہ پکارنا لاحاصل ہے۔ وہ آرزو تو کریں گے کہ ایک بار مریں تو چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ دن میں ہزار بار مرنے سے جو بری حالت ہو رہی ہے اس سے نجات پا جائیں گے مگر یہ پکار بالکل بے سود ہو گی۔

[۱۹] ❁ آخرت کے قائل اور کافر کے انجام کا تقابل:۔ اس آیت میں ایک ایماندار اور ایک کافر کے انجام کا جو تقابل پیش کیا گیا ہے وہ بڑا معنی خیز ہے۔ یعنی روز آخرت اور اعمال کی جزا و سزا کے متعلق ایک یہ امکان ہے کہ فی الواقع ایک حقیقت ہے اور وہ واقع ہو کے رہے گی اور دوسرا امکان یہ ہے کہ شاید یہ سب کچھ افسانہ ہی ہو۔ اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو مشاہدہ اور تجربہ میں نہیں آسکتیں۔ اب وہ شخص جو آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اس دنیا میں نہایت محتاط اور اللہ سے ڈر کر زندگی گزار رہا ہے۔ اگر بالفرض روز آخرت نہ ہو تو اس کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔ اور اگر قیامت قائم ہوئی تو اس کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ سب احوال قیامت اس کی توقع کے مطابق اس کے لئے خوشی کا باعث ہوں گے کیونکہ اس نے روزِ آخرت کے احوال کو ملحوظ رکھ کر ہی زندگی گزاری تھی۔ اب اس کے مقابل کافر کا انجام یہ ہے کہ اس کی توقع کے خلاف قیامت قائم ہو گئی۔ تو اسے ایسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْــُٔوْلًا ۝۱۶ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝۱۷ قَالُوْا
سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ

وہاں انہیں جو کچھ چاہیں گے ملے گا وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ تمہارے پروردگار کے ذمہ ایسا وعدہ ہے جو طلب کیا[۲۰] جاسکتا ہے (۱۶) اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اکٹھا کرے گا تو ان معبودوں سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی راہ سے بہک گئے تھے؟" (۱۷) وہ کہیں گے: "تیری ذات پاک ہے ہماری مجال نہ تھی کہ تیرے سوا کسی کو کارساز[۲۱] بناتے مگر تو نے انہیں اور ان

مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جو اس کے کبھی وہم و خیال میں نہ آیا ہوگا۔ دنیا تو ان دونوں کی ایک جیسی گزری۔ دونوں کو اس دنیا میں راحت بھی نصیب ہوئی اور غم بھی۔ برے دن بھی آئے اور بھلے بھی۔ دنیا میں نہ اس بات کی ضمانت ہے کہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والا بہر حال آسودہ اور خوشحال رہے گا اور نہ ہی ضروری ہے کہ ایماندار ساری زندگی مشکلات میں ہی گزارے۔ لیکن انجام بہر حال آخرت پر ایمان رکھنے والے کا بہتر ہوگا۔ روزِ آخرت پر ایمان رکھنے کی افادیت پر یہ ایک ایسی عقلی دلیل ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

[۲۰] ایمانداروں اور پرہیزگاروں سے اللہ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ وہ انہیں جنت عطا فرمائے گا۔ اس جنت میں وہ جو کچھ بھی خواہش کریں گے انہیں مہیا کی جائے گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس جنت میں قیام پذیر رہیں گے۔ یہ ایک ہی وعدہ کے تین اجزاء ہوئے اور اس وعدہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ اس کے لئے اللہ سے دعا مانگتے رہا کریں اور جنت کا مطالبہ کرتے رہا کریں۔ جیسا کہ مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی گئی۔ ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ﴾

[۲۱] ﴿من دون اللہ سے مراد صرف بت نہ ہونے کی وجوہ:۔ یعنی معبودوں کو بھی اور ان کی عبادت کرنے والوں کو بھی سب کو آمنے سامنے لا اکٹھا کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ پہلے معبودوں کو ہی مخاطب کر کے پوچھیں گے کہ "کیا تم نے میرے ان بندوں کو کہا تھا کہ ہم تمہارے مشکل کشا اور حاجت روا ہیں۔ لہذا ہمارے ہاں نذرانے پیش کیا کرو۔ ہم قیامت کے دن تمہیں اللہ سے بخشوالیں گے" یا ان عبادت گزاروں اور تمہارے عقیدت مندوں نے خود ہی ایسے عقیدے گھڑ لئے تھے؟ اس سوال کے جواب میں معبود حضرات کہیں گے کہ یا اللہ! ہم تو خود تجھے ہی اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے رہے تیرے ہی سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے رہے۔ تیرے حضور ہی جھکتے اور نذریں نیازیں گزارتے رہے۔ تجھے ہی اپنا کارساز سمجھتے رہے۔ پھر بھلا ہم انہیں یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ اللہ کو چھوڑ کر تم ہمیں یا کسی دوسرے کو اپنا کارساز بنالو"

اس سوال و جواب سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں معبودوں سے مراد بت نہیں۔ کیونکہ بے جان کا اللہ کو کارساز بنانے کا کچھ مطلب ہی نہیں۔ ایسے سوال و جواب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی کریں گے۔ جنہیں نصاریٰ نے اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ (سورہ مائدہ آیت نمبر ۱۱۶ تا ۱۱۸) اسی طرح آگے سورہ سبا کی آیات نمبر ۴۱، ۴۲ میں مذکور ہے کہ ایسا ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا
تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا

کے آباء واجداد کو خوب سامان زیست[۲۲] دیا۔ یہاں تک کہ وہ تیری یاد کو بھول گئے اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے کے قابل۔(۱۸)

گویا (اے کافرو!) جو تم آج[۲۳] کہتے ہو، اس دن تمہارے معبود تمہیں جھٹلا دیں گے۔ پھر نہ تم (عذاب کو) ٹال سکو گے اور نہ تمہیں کہیں سے مدد مل سکے گی۔ اور جو بھی تم سے ظلم[۲۴] کر رہا ہے اسے ہم سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے۔(۱۹)

سوال وجواب فرشتوں سے بھی ہوگا جن کی پوجا کی جاتی رہی ہے۔

رہی یہ بات کہ عموماً "ما" کا لفظ غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور ذوی العقول کے لئے "من" کا لفظ آتا ہے تو یہ کوئی ایسا کلیہ نہیں جس میں استثناء نہ ہو یہ ذوی العقول کے لئے آسکتا ہے جیسے ﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ (۶:۲۳) اور استفہامیہ ہونے کی صورت میں بھی آسکتا ہے جیسے مازید بمعنی زید کیا ہے؟ (منجد)

[۲۲] ❁ قیامت کے دن مطیع ومطاع کا مکالمہ اور ایک دوسرے پر الزام:۔ معبود اپنی بریت کا اظہار کرنے کے بعد کہیں گے کہ ان کے گمراہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ بدبخت خود ہی گمراہ اور تباہ ہونا چاہتے تھے جس کا ظاہری سبب یہ بن گیا کہ تو نے انہیں اور ان کے آباء واجداد کو عیش و آرام دیا تھا۔ یہ لوگ بس اسی عیش و آرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر تیری یاد سے بے نیاز ہو گئے۔ کسی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ پیغمبروں کی ہدایت سے آنکھیں بند کر لیں۔ تو نے ان پر جس قدر زیادہ مہربانیاں کیں اتنے ہی یہ نمک حرام ثابت ہوئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ان نعمتوں پر تیرا شکر ادا کرتے مگر یہ الٹے متکبر بن کر کفر و عصیاں پر تل گئے۔

[۲۳] یعنی آج تم یہ کہتے ہو کہ اگر قیامت ہوئی بھی تو تمہارے یہ معبود وہاں بھی تمہارے کام آئیں گے اور اگر عذاب کی کوئی بات ہوئی تو یہ چھڑا لیں گے۔ مگر اس دن تمہارے یہی معبود جن کی اعانت پر تمہیں بھروسا تھا تم سے علانیہ بیزاری کا اظہار کریں گے اور یہ کہہ کر تمہیں جھٹلا دیں گے کہ ہم نے کب ان سے کہا تھا کہ تم ہماری عبادت کیا کرنا۔ اس طرح معبود تو بری الذمہ ہو جائیں گے اور سارا بوجھ ان کے عبادت کرنے والوں پر پڑ جائے گا جن کی عذاب سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

[۲۴] ❁ ظلم کا لغوی مفہوم:۔ ظلم کا لفظ عدل کی ضد ہے۔ اور اس کا اطلاق تو ہر بے انصافی کی بات اور غیر معقول بات پر ہو سکتا ہے۔ نبی کی دعوت کو جھٹلانا، اسلام کی راہ سے روکنا، ایمان لانے والوں کو ایذائیں پہنچانا، انہیں پریشان کرنا یا ان کا تمسخر اڑانا، بتوں یا دوسرے معبودوں کی عبادت کرنا یا انہیں حاجت کے لئے پکارنا، آخرت کے عذاب و ثواب سے انکار کرنا سب ظلم کی ہی قسمیں ہیں اور ان کاموں کا ارتکاب کرنے والے سب ظالم ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا
بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۲/۱۱ ۱۷

اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب[۲۵] کھانا کھاتے اور بازروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش[۲۶] کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ تو کیا تم (اے مسلمانو!) کفار کے (طعن و تشنیع پر) صبر[۲۷] کرو گے؟ اور آپ کا پروردگار سب کچھ دیکھ رہا ہے[۲۸]۔(۲۰)

[۲۵] یہ کافروں کے اس اعتراض کا جواب ہے۔ جس کا ذکر اسی سورہ کی آیت نمبر ۷ میں ہوا ہے۔ کفار مکہ کا یہ اعتراض محض کٹ حجتی کے طور پر تھا۔ ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ سیدنا نوح، سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام سب کے سب انسان ہی تھے۔ حوائج بشریہ ان کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ اور وہ اپنی زندگی کی بقاء کے لئے کھاتے پیتے بھی تھے۔ اور کسب معاش یا خرید و فروخت کی خاطر وہ بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود لوگ انہیں رسول تسلیم کرتے تھے۔ کھانا کھانا یا بازاروں میں چلنا پھرنا بزرگی یا نبوت کے منافی نہیں، ہے پھر آخر اس رسول پر ان کا یہ اعتراض کس لحاظ سے درست ہے۔

[۲۶] نبی کے ذریعہ سب افراد قوم کی آزمائش کیسے ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنا رسول بھیج کر سب لوگوں کو آزمائش میں ڈال کر ہر ایک کو خوب جانچتا ہے۔ ایمان لانے والوں کو بھی اور کافروں کو بھی۔ ایمان والوں میں سے سب سے زیادہ سخت آزمائش تو خود رسولوں کی ہوتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے اشد البلاء علی الانبیاء ثم الامثل فالامثل یعنی سب سے سخت آزمائش نبیوں کی ہوئی ہے پھر اس کے قریبی مومنوں کی پھر اگلے درجہ کے مومنوں کی۔ نبی کی دعوت پر مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ابتداءً نبی کی دعوت پر ایمان لانے والے عموماً معاشرہ کے ظلم و ستم سے عاجز آئے ہوئے اور ستائے ہوئے کمزور قسم کے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ان کی اس معرکہ حق و باطل میں خوب آزمائش ہوتی ہے تا آنکہ ہر ایک کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں ایماندار اپنے دعویٰ میں کس قدر پختہ ہے۔ اور منافقوں کی بھی چھانٹی ہوتی رہتی ہے اور کافروں کا امتحان اس طرح ہوتا ہے کہ انہی میں سے دنیوی مال و دولت اور جاہ و حشم کے لحاظ سے ایک کمتر درجہ کا شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اپنی دعوت پر عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتا ہے تو کیا وہ اپنی نخوت اور اپنی انا کو چھوڑ کر حق کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی رسول کی دعوت کا انکار کرتا ہے تو کس قدر سرکشی اور بغاوت کی راہ اختیار کرتا ہے۔ گویا ایک نبی کی دعوت پر حق و باطل کا معرکہ ایک ایسی بھٹی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عین مشیت کے مطابق ہے اور اس میں کئی حکمتیں مضمر ہیں اور اس بھٹی سے قوم کے ایک ایک فرد کی آزمائش ہو جاتی ہے۔

[۲۷] یہ خطاب صرف مسلمانوں کو ہے یعنی تمہاری آزمائش یہ ہے کہ آیا تم لوگ ان کافروں کے ناجائز اعتراضات' ان کے استہزاء اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر کرتے ہو جبکہ اس میں تمہارے لیے کئی قسم کی مصلحتیں اور حکمتیں موجود ہیں؟

[۲۸] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تمہارے پروردگار نے سب کو جو آزمائش میں ڈالا ہے تو اس کی مصلحتوں کو دیکھ کر ہی ڈالا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ معرکہ حق و باطل میں جو لوگ حق کا ساتھ دے رہے ہیں انہیں بھی دیکھ رہا ہے اور جو اس کی راہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً

اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں، ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترے یا ہم ہی اپنے پروردگار کو (آنکھوں سے)[۲۹] دیکھ لیں؟ یہ اپنے دل میں بہت بڑے بن بیٹھے ہیں اور بہت بڑی سرکشی میں مبتلا[۳۰] ہو چکے ہیں۔(۲۱) جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ دن[۳۱] ایسے مجرموں کے لئے کوئی خوشی کا دن نہ ہوگا اور وہ پکار اٹھیں گے کہ ہم تو تم سے[۳۲] پناہ مانگتے ہیں (۲۲) اور جو کچھ انہوں نے کیا دھرا ہوگا ہم ادھر توجہ کریں گے

میں روک بن کر کھڑے ہو گئے ہیں انہیں بھی اور ان کی کارستانیوں کو بھی اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔

[۲۹] ۞ کفار کا مطالبہ کہ فرشتے ہم پر نازل ہوں:۔ کفار مکہ کے لغو قسم کے مطالبات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جیسے تم پر فرشتہ نازل ہوتا ہے ایسے ہی ہم میں سے ہر ایک پر فرشتہ اترنا چاہئے تاکہ ہمیں پورا یقین ہو جائے کہ جو کچھ تمہاری دعوت ہے وہ درست ہے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو ہم کم از کم اپنے رب کو ہی دیکھ لیں۔ جو ہمیں ایک دفعہ یہ کہدے کہ میں فلاں شخص کو رسول بنا کر بھیج رہا ہوں اور تمہیں اس پر ایمان لے آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے یہ مطالبات اس لئے نہیں ہیں کہ اگر ان کی یہ بات پوری ہو جائے تو یہ ایمان لانے کو بالکل تیار بیٹھے ہیں بلکہ یہ لوگ ایسی بکواس اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں یہ یقین نہیں ہے کہ مرنے کے بعد انہیں ہمارے حضور پیش ہونا ہے۔ اگر انہیں اس بات کا یقین ہوتا تو کبھی ایسی باتیں نہ بناتے۔

[۳۰] یعنی ہم نے جو ان کو مال و دولت کی فراوانی اور آسودگی عطا کی ہے تو یہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگے ہیں۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر فرشتہ اس شخص پر جو ان کے خیال کے مطابق ان سے کم درجہ کا آدمی ہے، نازل ہو سکتا ہے تو آخر ہم لوگوں پر کیوں نازل نہیں ہو سکتا، یا پھر ہمیں خود اللہ تعالیٰ ان باتوں کی یقین دہانی کرائے۔ اس شخص کی باتوں پر آخر ہم لوگ کیسے یقین کر لیں؟

[۳۱] ان کے فرشتوں کے دیکھنے کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ دو دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ دنیا میں ایسے لوگ اس وقت فرشتوں کو بچشم خود دیکھ لیتے ہیں جب وہ ان پر قہر الٰہی اور عذاب الٰہی لے کر نازل ہوتے ہیں۔ دوسرے اس وقت جب وہ ان کی جانیں نکالنے کے لئے ان کے پاس آئیں گے اور قیامت میں تو یہ ہر وقت ہی فرشتوں کو دیکھا کریں گے۔ جو بھی وقت اور جو بھی صورت ہو، ان کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی بلکہ جب بھی وہ ان کے پاس آئیں گے قہر الٰہی بن کر ہی آئیں گے۔

[۳۲] ۞ فرشتوں کو دیکھنے کی تین صورتیں:۔ یہ محاورہ ہے۔ حجارۃ بمعنی پتھر اور حجر ہر اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو پتھر کی طرح سخت بھی ہو اور روک یا آڑ کا کام بھی دے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب اپنے کسی دشمن کو، جس سے انہیں تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہوتا، دیکھ کر، یا کسی دوسری آفت کو دیکھ کر حِجرا محجورا کہنے لگتے۔ جیسے ہم کہتے ہیں "اس سے اللہ کی پناہ" یا "اللہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مَّنثُورًا ﴿٢٣﴾ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿٢٤﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَ

تو اسے اڑتا ہوا غبار[۳۳] بنا دیں گے۔(۲۳) اس دن اہل جنت کا ہی ٹھکانا اور دوپہر کو آرام[۳۴] کرنے کا مقام بہتر ہوگا۔(۲۴) اس دن آسمان کو چیرتے ہوئے ایک بادل نمودار ہوگا[۳۵] اور فرشتوں کے پرے

سے ہمیں بچائے" تو سننے والا عموماً یہ قول سن کر تکلیف نہیں پہنچاتا تھا۔ ایسے مجرمین بھی جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے تو یہی الفاظ بول کر ان سے پناہ مانگیں گے لیکن اس دن انہیں کوئی پناہ نہ مل سکے گی۔

[۳۳] ❁ کافروں کو ان کے اچھے اعمال کا بدلہ کیوں نہیں ملے گا؟ کفار مکہ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ گر تم کچھ اچھے کام کرتے ہو تو ہم بھی بہت سے اچھے کام کرتے ہیں۔ ہم حاجیوں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ انہیں پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں۔ ان کی امداد کرتے ہیں۔ غریبوں مسکینوں اور بیواؤں کے لئے فنڈ اکٹھا کرتے ہیں اور انہیں وظیفے دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہاں کافروں کے ایسے ہی اچھے اعمال کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم ان کے ایسے اعمال کی طرف بڑھیں گے تو انہیں اڑتا غبار بنا دیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ اعمال اس غرض سے تو کئے ہی نہیں تھے کہ ان کو آخرت میں ان کا بدلہ ملے۔ کیونکہ وہ آخرت پر تو یقین ہی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے اعمال کی کچھ بنیاد ہی نہ تھی۔ جس پر وہ قائم رہ سکتے۔ دنیا میں اگر انہوں نے کچھ اچھے اعمال کئے تھے تو صرف اس غرض سے کہ لوگ انہیں اچھا سمجھیں اور اچھا کہیں اور یہ کام دنیا میں ہو چکا۔ ان کے اچھے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا میں مل چکا۔ آخرت میں ان کو اب کیا ملے گا؟ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں یوں بیان فرمایا ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ (۱۸:۱۰۵) یعنی ہم ایسے لوگوں کے لئے میزان الاعمال رکھیں گے ہی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے اچھے عمل تو اڑتا ہوا غبار بن گئے۔ اب نیکیوں کے پلڑے میں رکھنے کے لئے کیا چیز باقی رہ گئی کہ ان کے لئے میزان رکھی جائے۔

[۳۴] قیامت کا دن ہمارے موجودہ حساب سے پچاس ہزار سال کا دن ہے۔ اس دن کی بھی، دوپہر اور شام ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوپہر سے پہلے پہلے لوگوں کے حساب کتاب سے فارغ ہو جائیں گے۔ اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں چلے جائیں گے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت دوپہر کے بعد جنت میں ہی جا کر سوئیں گے۔ کیونکہ قیلولہ دوپہر کے بعد سونے کو اور مقیلاً دوپہر کے بعد سونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ مومنوں یا اہل جنت کو یہ پچاس ہزار سال کا دن ایسا ہلکا محسوس ہوگا جیسے کسی فرض نماز کا وقت ہوتا ہے۔ (بیہقی بحوالہ مشکوۃ۔ کتاب الفتن۔ باب الحساب والقصاص والميزان۔ فصل ثالث)

[۳۵] ❁ آسمان و زمین جیسے پہلے دھواں اور گڈمڈ تھے قیامت کو ویسے ہی ہو جائیں گے:۔ اس آیت کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس مادہ سے آسمانوں کی تخلیق ہوئی تھی وہ پھر اسی مادہ میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے۔ سورہ فصلت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾ (۴۱:۱۱) "پھر اللہ تعالیٰ سماء (بلندی) کی طرف متوجہ ہوا اور اس وقت وہ صرف دھواں تھا۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: آسمان اور زمین سب کچھ گڈمڈ جمے اور جڑے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کھول کر الگ الگ کر دیا۔ (۲۱:۳۰) پہلے ابتداءً صرف دھواں ہی دھواں یا گیسوں کا مجموعہ تھا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بنائے۔ اور قیامت کو یہ آسمان اسی طرح دھوئیں میں تبدیل کر دیئے جائیں گے جو بادلوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾
وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ
لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاۗءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ

کے پرے اتار دیئے جائیں گے (۲۵) اس دن حقیقی بادشاہی[۳۶] رحمٰن کی ہوگی اور یہ دن کافروں کے لئے[۳۷] بڑا سخت دن ہوگا۔ (۲۶) اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا: کاش! میں نے رسول کے ساتھ ہی اپنی روش اختیار کی ہوتی۔ (۲۷) کاش! میں نے فلاں شخص کو دوست[۳۸] نہ بنایا ہوتا۔ (۲۸) اس نے تو میرے پاس نصیحت آجانے کے بعد مجھے بہکا دیا اور شیطان تو انسان کو مصیبت پڑنے پر چھوڑ جانے[۳۹] والا ہے۔ (۲۹)

کی شکل اختیار کرلے گا۔ اسی بادل میں سے فرشتے میدان محشر کی طرف جوق در جوق اتارے جائیں گے۔

[۳۶] ۞ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حشر میں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا:۔ قیامت کے دن اللہ اکیلے کی فرمانبرداری اور بادشاہی ہوگی اور سب انسان بالکل برہنہ قبروں سے اٹھا کھڑے کئے جائیں گے چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ (قیامت کے دن) ننگے پاؤں، ننگے بدن حشر کئے جائیں گے" میں نے کہا: "یارسول اللہ! اس طرح تو مرد اور عورت سب ایک دوسرے کے ستر کو دیکھیں گے! آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! قیامت کا معاملہ ایسے خیالوں سے شدید تر ہوگا۔ (بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب کیف الحشر) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو خطبہ سنانے کھڑے ہوئے اور فرمایا: تم لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن حشر کئے جاؤ گے۔ جیسے (اللہ تعالیٰ نے قرآن میں) فرمایا جس طرح تمہیں شروع میں پیدا کیا اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ اور تمام مخلوق میں جسے سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہوں گے" (بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب کیف الحشر)

اب دیکھئے جہاں یہ صورت حال ہو ہر کسی کو اپنی اپنی ہی پڑی ہو تو کسی کو بادشاہی کا خیال آسکتا ہے اور دنیا کے بادشاہ تو اور بھی سخت حالت میں ہوں گے۔

[۳۷] جس طرح مومن کے لئے قیامت کے دن کی مدت انتہائی مختصر اور آسان بنادی جائے گی اتنی ہی کافر کے لئے یہ مدت طویل اور سخت تر ہوگی۔ کیونکہ دنیا میں بھی یہ چیز تجربہ شدہ ہے کہ مصیبت کے چند لمحات اتنے طویل تر اور شدید تر معلوم ہوتے ہیں جیسے کئی سالوں سے وہ یہ دکھ سہہ رہے ہیں۔

[۳۸] جب کافر مومنوں سے اللہ تعالیٰ کا حسن سلوک دیکھے گا وہی مومن جنہیں وہ حقیر مخلوق سمجھ کر ایذائیں پہنچایا کرتا تھا تو حسرت و ندامت سے اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل جائیں کہ کاش میں نے بھی اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیا ہوتا تو یہ سخت وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ کاش میں نے کچھ اپنی بصیرت سے کام لیا ہوتا اور محض دوسروں کا آلہ کار بن کر رسول ﷺ کی مخالفت نہ کی ہوتی۔

[۳۹] ۞ خذول کا لغوی مفہوم:۔ خذول بمعنی کسی کی مدد نہ کرنا بلکہ مدد کے وقت ساتھ چھوڑ جانا اور خذول ایسے دوست کو کہتے ہیں جو زبانی تو دوستی کے بہت دعوے کرتا اور دم بھرتا ہو لیکن مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ کر چلا جائے۔ دغا دینے والا دوست۔ اور شیطان کے لئے یہ لفظ بالکل راس آتا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ انسان کو سبز باغ دکھا کر اور خوشنما وعدے دے کر اسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ

اور رسول (ﷺ) کہیں گے: "پروردگار! میری قوم کے یہی لوگ ہیں جنہوں نے اس قرآن کو نشانہ تضحیک[۴۰] بنا رکھا تھا۔(۳۰) اسی طرح (اے نبی!) ہم نے مجرموں کو[۴۱] ہر نبی کا دشمن کا بنایا ہے

گمراہ کرتا ہے۔ پھر مشکل وقت پڑنے پر دنیا میں بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے اور آخرت میں بھی وہ یہی کام کرے گا اور یہی خصلت شیطان کے دوستوں یا شیطان سیرت انسان کی بھی ہوتی ہے۔

[۴۰] ۞ مسلمانوں کے قرآن کو پس پشت ڈالنے کے مختلف پہلو:۔ مھجورا کا مادہ ھ ج ر ہے اب اگر اس لفظ کو ھجر (ھجرا) سے مفعول تسلیم کیا جائے تو مھجورا کا معنی ایسی مہمل گفتگو ہے جو کوئی شخص بیماری یا خواب یا نیم خوابی یا بے ہوشی کی حالت میں کرتا ہے یعنی بڑبڑاہٹ یا ہذیان۔ پھر چونکہ ایسی باتیں ہنسی مذاق کا باعث ہوتی ہیں لہذا اس کا مطلب قرآن کی آیات کا ہنسی استہزاء اور مذاق اڑانا ہوگا اور قرآن کو نشانہ تضحیک بنانا جیسا کہ کفار مکہ کا معمول تھا۔ اور اگر اس لفظ کو ھجر (ھجرا) سے مفعول تسلیم کیا جائے تو اس کا معنی قرآن کو متروک العمل سمجھنا اور اسے پس پشت ڈال دینا ہوگا۔ جیسا کہ آج کل کے مسلمان کیا عوام اور کیا علماء سب کے سب اس جرم کے مجرم ہیں۔ علماء کی قرآن سے غفلت کا یہ حال ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں جو درس نظامی رائج ہے اس میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کی باری آخری سال ہی آتی ہے اور کبھی وہ بھی نہیں آتی۔ کسی مدرسہ میں چھ سالہ کورس ہے، کسی میں سات کسی میں آٹھ اور کسی میں نو سال تک نصاب ہے۔ اور اس طویل مدت کا بیشتر حصہ قرآن کو سمجھنے کے لئے امدادی علوم کی تعلیم و تدریس پر صرف کر دیا جاتا ہے۔ ابتدائی تین چار سال صرف و نحو، منطق یا اخلاقیات وغیرہ۔ بعد میں فقہ اور حدیث اور آخری سال میں قرآن، گویا ساری توجہ اور محنت بنیادی باتوں میں صرف کر دی جاتی ہے اور طالب علموں کو قرآن پڑھنے کا اگر وقت مل جائے تو ان کی خوش قسمتی ہے ورنہ اکثر حالات میں نہیں ملتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے عوام کو یہ بات ذہن نشین کرا رکھی ہے کہ قرآن کریم ایک انتہائی مشکل کتاب ہے۔ اسی لئے اس کی تدریس سب سے آخری سال رکھی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن کا دعویٰ اس نظریہ کے بالکل برعکس ہے اور تجربہ و مشاہدہ ہے کہ ایک معمولی لکھا پڑھا آدمی کسی ترجمہ والے قرآن کے مطالعہ سے جو سادہ اور سیدھی سادی سمجھ حاصل کرتا ہے۔ وہ اس سمجھ سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ جو فرقہ پرست اور مقلد حضرات کسی طالب علم کو پہلے اپنے مسلک کی فقہ پڑھا کر ذہین نشین کرانا چاہتے ہیں۔ یہ تو علماء کا قرآن پر ظلم ہوا اور عوام کا ظلم یہ ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ قرآن بس ایک عملیات کی کتاب ہے اور اس میں ہماری دینی اور دنیوی سب طرح کی تکلیفوں کا حل موجود ہے مگر ضرورت انہیں صرف دنیوی تکلیفوں کے دور کرنے کی ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے کچھ تجربے بھی کر رکھے ہیں مثلاً اس کی فلاں آیت کی تسبیحات نکالنے سے فلاں تکلیف دور ہوتی ہے اور فلاں سورت کی زکات نکالنے سے فلاں فلاں مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ پھر قرآن کو بطور تعظیم ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر مکان کے کسی اوپر والے طاقچے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ یا پھر مرنے والے انسان پر یٰسین پڑھائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی کبھی قسم اٹھانے کے کام آتا ہے۔ نزول قرآن کی اصل غرض و غایت تو یہ تھی کہ انسان اس سے ہدایت حاصل کرے تو اس بنیادی مقصد کے لحاظ سے فی الحقیقت قرآن آج متروک العمل ہو چکا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور یہی شکایت کریں گے۔

[۴۱] یعنی نبی کی بعثت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ رسول کی اطاعت کریں۔ اب جو لوگ پہلے سے مطاع بنے بیٹھے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نَبِيًّا عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا

اور آپ کا پروردگار رہنمائی کرنے اور مدد دینے کو کافی[۴۲] ہے۔(۳۱) کافر (یہ بھی) کہتے ہیں کہ: "یہ سارا قرآن یکبارگی ہی رسول پر کیوں نہ[۴۳] اتار دیا گیا؟" بات ایسی ہی ہے اور یہ اس لئے کہ ہم آپ کی ڈھارس بندھاتے جائیں اور اس لیے بھی کہ ہم آپ کو (ایک خاص ترتیب اور وقفوں سے) پڑھ کر سناتے جائیں(۳۲)

ہوتے ہیں۔ وہ بھلا یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ جو لوگ پہلے ان کے فرمانبردار و اطاعت گزار تھے وہ انہیں چھوڑ کر یا ان کے ساتھ کسی دوسرے کی بھی اطاعت کرنے لگیں۔ بالفاظ دیگر معاشرہ کے آسودہ حال لوگ یا ایسے لوگ جن کا عوام پر کسی نہ کسی طرح کا اثر اور بالادستی ہوتی ہے اس نبی کو اپنا رقیب سمجھ کر اس کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی مجرموں کا ذکر قرآن نے بعض مقامات پر مترفین کے لفظ سے کیا ہے اور بعض مقامات پر ملأ کے لفظ سے اور چونکہ ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہوتی ہے۔ لہذا نبی کی دعوت دراصل بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہوتی ہے۔ دعوت کے آغاز میں ہی معرکہ حق و باطل شروع ہو جاتا ہے اور دنیا کے یہ خونخوار کتے سینہ تان کر نبی کے مقابلہ میں آن کھڑے ہوتے ہیں۔

[۴۲] اس معرکہ حق و باطل میں حالات جو نسا رخ اختیار کرتے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی اپنے نبی اور اس کے پیروکاروں کو ہدایات بھی دیتا جاتا ہے کہ اب انہیں یوں کرنا چاہئے اور اس سے اگلا قدم اس طرح اٹھنا چاہئے پھر وہ صرف ہدایات اور احکام پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان کافروں کی طاقتور جماعت کے مقابلہ میں ایمانداروں کی مدد بھی فرماتا ہے اور ایسے طریقوں سے مدد فرماتا ہے جس کا پہلے سے مسلمانوں کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ تمام ظاہری اور باطنی اسباب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوتے ہیں۔ وہ حالات ہی ایسے پیدا کر دیتا ہے جو مسلمانوں کے حق میں مفید ہوتے ہیں اور کافروں کا کچومر نکال دیتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ اطلاع دی کہ نبی کے دشمن پیدا ہوتے رہے ہیں ساتھ ہی یہ خبر بھی دے دی کہ اللہ اپنے نبی اور اس پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو دشمنوں کے حوالے نہیں کر دیتا بلکہ انہیں بروقت ہدایات بھی دیتا اور پھر ان کی مدد بھی کرتا ہے۔

[۴۳] ۞ کفار کا اعتراض کہ قرآن یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوا؟ کفار کے اعتراض کے الفاظ تو یہی ہوتے تھے لیکن وہ ان الفاظ سے مطلب کچھ اور ہی لیتے تھے جو یہ تھا کہ یہ نبی جیسے جیسے حالات رخ اختیار کرتے ہیں ساتھ کے ساتھ یہ قرآن کو تصنیف کرتا جاتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو آنے والے حالات کا پہلے سے ہی علم ہے۔ اگر قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہوتا۔ تو اس میں ہر قسم کے حالات کے مطابق احکام یکبارگی بھی نازل ہو سکتے تھے۔ یہ اعتراض کر کے وہ گویا اللہ، اس کے رسول اور اس کے قرآن سب کی تکذیب اور ان پر افترا کرتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ
أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ﴿٣٥﴾

اور اس لیے بھی کہ جب بھی یہ کافر آپ کے پاس کوئی مثال (اعتراض) لائیں تو اس کا ٹھیک اور برجستہ [۴۴] جواب اور بہترین توجیہ ہم آپ کو بتادیں۔(۳۳) ایسے لوگ اوندھے منہ جہنم کی طرف [۴۵] لائے جائیں گے، ان کا ٹھکانا بہت برا ہے اور یہی سب سے زیادہ گمراہ ہیں۔(۳۴)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب [۴۶] دی تھی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو مددگار بنا دیا(۳۵) اور

[۴۴] ۞ قرآن کے بتدریج نازل ہونے کے فوائد:۔ کفار نے یہ اعتراض متعدد بار کیا اور مختلف مقامات پر قرآن نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اس مقام پر قرآن کو بتدریج نازل کرنے کے تین فوائد بتائے گئے ہیں۔

۱۔ نبی کی دعوت پر جو معرکہ حق و باطل بپا ہوتا ہے اور جس طرح باطل ہجوم کر کے حق پر ایک دم ٹوٹ پڑتا ہے تو یہ معرکہ کوئی ایک دو دن کا قصہ نہیں ہوتا بلکہ نبی کی پوری زندگی کو محیط ہوتا ہے۔ اور جب بھی حالات مسلمانوں کے لئے حوصلہ شکن ہوتے ہیں تو انہیں تسلی دینے اور ان کی ڈھارس بندھانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور ایک ہی دفعہ حوصلہ افزائی خواہ کتنی ہی کی جائے۔ وہ فائدہ نہیں دے سکتی۔ جو فائدہ ساتھ کے ساتھ اور بارہا حوصلہ افزائی کا ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن کو حفظ کرنا، اسے سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی پوری طرز زندگی میں تبدیلی پیدا کرنا اسی صورت میں ممکن تھا کہ قرآن کریم بتدریج نازل ہوتا۔ قرآن کو بتدریج نازل کرنے سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ہر ایمان لانے والے کو یہ معلوم ہے کہ فلاں آیت یا فلاں سورت کا شان نزول کیا تھا اور کس طرح کے پس منظر میں یہ نازل ہوئی تھی۔ نیز اگر کوئی شخص قرآن کی کسی آیت یا اس کے کسی مفہوم کو غلط معنی پہناتا تو قرآن ساتھ کے ساتھ نازل ہو کر اس مفہوم کی تردید کر کے صحیح تعبیر پیش کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں معاشرہ سے برائیوں مثلاً شراب نوشی، لوٹ مار، قتل و غارت، بے حیائی، زنا اور سود کے استیصال کے لئے سب احکام ایک دفعہ نازل کئے جاتے تو ان پر عمل پیرا ہونا بہت مشکل ہو جاتا اور لوگ سرے سے نبی پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے سے دستبردار ہو جاتے۔

۳۔ تیسرا فائدہ جو اگلی آیت میں مذکور ہے یہ ہے کہ کافر جس قسم کے آپ پر اعتراضات کرتے ہیں یا آپ ﷺ سے مطالبات کرتے رہتے ہیں۔ ہم ساتھ کے ساتھ ان اعتراضات کے واضح اور مدلل جوابات دیتے جاتے ہیں۔ اب یہ کیا تک ہے کہ اعتراضات تو بعد میں ہوں اور ان کے جوابات پہلے ہی یکبارگی نازل کر دیئے جائیں۔ اور اگر ہم ایسا کرتے ہیں بھی یہ لوگ ان جوابات پر کئی طرح کے اعتراضات کرنا شروع کر دیتے۔

[۴۵] یعنی کافروں کے اس قسم کے اعتراضات کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کی عقلیں اوندھی ہو چکی ہیں۔ جو سیدھی سادی باتوں پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتیں لہٰذا ہم قیامت کے دن اوندھے منہ جہنم کی طرف چلا کر لے جائیں گے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: "یا نبی اللہ ﷺ قیامت کے دن کافر اپنے منہ کے بل حشر کئے جائیں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "جس پروردگار نے انسان کو دو پاؤں پر چلایا ہے کیا وہ اسے قیامت کے دن منہ کے بل نہیں چلا سکتا" (بخاری۔ کتاب التفسیر)

[۴۶] یہاں کتاب سے مراد تورات نہیں کیونکہ تورات تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلا کر اس وقت دی گئی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ

ان سے کہا: اس قوم کی طرف جاؤ، جنہوں نے ہماری آیات[۴۷] کو جھٹلا دیا ہے بالآخر ہم نے انہیں تہس نہس کر دیا۔(۳۶) اور نوح کی قوم نے جب رسولوں[۴۸] کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور انہیں تمام لوگوں کے لئے ایک نشانی[۴۹] بنا دیا۔ علاوہ ازیں ہم نے ایسے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۳۷) اور (اسی طرح) قوم عاد، قوم ثمود، کنوئیں والے[۵۰] اور

جب بنی اسرائیل میدان تیہ میں قیام پذیر تھے۔ بلکہ اس سے مراد وہ منزل من اللہ ہدایات واحکام ہیں۔ جو آپ کو مصر سے خروج سے پہلے دی جاتی رہیں۔ ایسی ہی منزل من اللہ وحی کو اصطلاحی زبان میں وحی خفی یا سنت بھی کہتے ہیں اور ایسے احکام پر کتاب اللہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسی وحی یا سنت پر عمل کرنا ایسے ہی واجب ہے جیسے وحی جلی یا وحی متلو یا اللہ کی کتاب پر۔

[۴۷] یہاں آیات سے مراد غالباً وہ وحی تھی جو سیدنا ابراہیم، سیدنا اسحاق، سیدنا یعقوب اور سیدنا یوسف علیہم السلام پر نازل ہوئی تھی کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے تو ان فرعونیوں کو ابھی اپنی طرف نازل شدہ کوئی وحی سنائی ہی نہ تھی۔ یا پھر آیت اللہ سے مراد کائنات میں ہر سو اللہ کی بکھری ہوئی نشانیاں ہیں جن سے غور و فکر کرنے والے اللہ کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور فرعون ایسی نشانیوں سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے خود ہی خدائی کا دعویدار بن بیٹھا تھا۔

[۴۸] اس سے معلوم ہوا ہے کہ قوم نوح کی طرف سیدنا نوح علیہ السلام سے پہلے بھی کچھ رسول آ چکے تھے۔ جن کے قرآن میں نام مذکور نہیں ہیں یا اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ اصول دین میں تمام انبیاء کی تعلیم ایک ہی رہی ہے تو اس لحاظ سے ایک رسول کو جھٹلانے سے از خود باقی سب رسولوں کی تکذیب ہو جاتی ہے۔

[۴۹] نشانی اس لحاظ سے کہ ان ظالموں کی روئے زمین پر نسل ہی ختم ہو گئی۔ طوفان نوح کے بعد سیدنا آدم علیہ السلام کی نسل صرف ان لوگوں سے چلی جو سیدنا نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی میں سوار تھے اور بعض کے نزدیک آئندہ نسل سیدنا نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث سے چلی۔

[۵۰] اصحاب الرس کون ہیں؟ قوم عاد و ثمود کا ذکر تو قرآن میں بہت سے مقامات پر مذکور ہے مگر اصحاب الرس یا کنویں والوں کا ذکر صرف دو مقامات پر آیا ہے۔ ایک اسی جگہ اور دوسری سورہ ق کی آیت نمبر ۱۲ میں۔ ان مقامات پر ان کا ذکر اس قدر مختصر ہے جس سے ان کے حالات پر کچھ روشنی نہیں پڑتی۔ نہ ہی یہ معلوم ہو سکا ہے کہ ان کی طرف کون سا نبی مبعوث ہوا تھا۔ لغوی لحاظ سے رس بڑے کنوئیں کو کہتے ہیں جس میں پانی وافر مقدار میں موجود ہو اسی وجہ سے اصحاب الرس کے بارے میں مفسرین میں کئی قسم کے اختلافات ہیں۔ زیادہ مشہور یہی بات ہے اس سے مراد اہل انطاکیہ ہیں۔ ان کی طرف حبیب نجار نبی مبعوث ہوئے تو انہوں نے انہیں جھٹلایا لیکن آپ بدستور انہیں اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ بالآخر ان لوگوں نے آپ کو مار کر کنوئیں میں ڈال دیا۔ اسی وجہ سے یہ اصحاب الرس کے لقب سے مشہور ہوئے پھر اللہ نے اس کنوئیں سمیت اس بستی کو زمین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا
عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾
وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ
اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

درمیانی پشتوں میں سے بہت سے لوگ (تباہ کر دیئے گئے)۔(۳۸) ان میں ہر ایک کے لئے ہم نے (پہلے تباہ شدہ قوموں کی) مثالیں[۵۱] بیان کر کے سمجھایا آخر ان سب کا نام و نشان تک مٹا دیا(۳۹) اور اس بستی پر تو ان کا گزر ہو چکا ہے جس پر بدترین بارش برسائی[۵۲] گئی تھی۔ کیا انہوں نے اس بستی کا حال نہ دیکھا ہوگا؟ لیکن (اصل معاملہ یہ ہے کہ) یہ لوگ موت کے بعد دوسری زندگی کی توقع ہی نہیں رکھتے۔(۴۰) اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے مذاق کے سوا انہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں (کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے[۵۳] جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟(۴۱) اگر ہم اپنے معبودوں کی عقیدت پر ڈٹے نہ رہتے تو یہ تو ہمیں ان سے[۵۴] برگشتہ کر کے چھوڑتا، جلد ہی انہیں معلوم ہو جائے گا جب یہ عذاب دیکھیں گے کہ کون راہ سے بھٹکا ہوا تھا۔(۴۲)

میں دھنسا دیا۔ واللہ اعلم بالصواب

[۵۱] ہر قوم کے متعلق ہمارا طریقہ یہی رہا کہ ان کی طرف نبی بھیجا گیا جس نے اس قوم کو سابقہ اقوام کے انجام سے متنبہ کیا۔ پھر انہیں مختلف انداز سے مثالیں دے دے کر سمجھایا گیا۔ پھر انہیں غور و فکر کے لئے مہلت بھی دی گئی۔ ان سب باتوں کے بعد بھی جب وہ اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے اور ان پر حجت قائم ہو گئی تو پھر ہم نے انہیں اس طرح تباہ کیا کہ ان کا نام و نشان نہ رہنے دیا۔

[۵۲] ۞ آخرت کے قائل اور منکر کا فرق:۔ اس سے مراد لوط علیہ السلام کی بستی یا سدوم کا علاقہ ہے۔ ان کفار مکہ کے جو تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے اور واپس آتے ہیں تو یہ علاقہ ان کے راستہ میں پڑتا ہے اس علاقہ کی ویرانی اور خستہ حالی یہ کئی بار بچشم خود دیکھ چکے ہیں مگر یہ لوگ اس علاقہ کو محض ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر آگے چلے جاتے ہیں۔ اس سے کچھ بھی عبرت حاصل نہیں کرتے اور ان کی یہ کیفیت محض اس لئے کہ یہ لوگ اللہ کے حضور پیش ہونے اور اپنے اعمال کی سزا پانے کا یقین ہی نہیں رکھتے۔ اور یہی وہ فرق ہے جو ایک آخرت کے منکر اور آخرت پر یقین رکھنے والے میں ہوتا ہے۔ آخرت کا منکر ایسے مقامات کو محض ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھتا ہے جبکہ آخرت پر یقین رکھنے والا ایسے مقامات سے عبرت اور کئی سبق حاصل کرتا ہے۔

[۵۳] یہ کفار مکہ کیسے ہدایت حاصل کر سکتے ہیں جبکہ ان کا محبوب مشغلہ ہی یہ ہے کہ وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں۔ اجی یہ ہیں وہ صاحب جو اپنے آپ کو اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ کیا یہی شخص اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری مخلوق میں سے رسالت کے لئے پسند آیا تھا؟ اس کی حیثیت کو دیکھو اور اس کے بلند بانگ دعویٰ کو دیکھو۔ کیا ہم اتنے ہی عقل کے اندھے ہیں کہ اس کے اس دعویٰ کو درست تسلیم کر لیں؟

[۵۴] ۞ کفار کی بوکھلاہٹ اور خود اپنی تردید:۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جو کلام یہ پیش کرتا ہے اس میں جادو کا اثر ہوتا ہے۔ جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ

بھلا آپ نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش کو ہی الٰہ [۵۵] بنا رکھا ہے؟ ایسے شخص (کو راہِ راست پر لانے) کے آپ ذمہ دار بن سکتے ہیں؟ (۴۳) یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر

بڑے بڑوں کے قدم پھسلا سکتا ہے اور سننے والوں کو اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے۔ اور اگر ہم لوگ پوری مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے اپنے باپ دادا کے دین پر جمے نہ رہتے تو اس نے تو کب سے ہمیں اپنے معبودوں سے برگشتہ کر دیا ہوتا۔

اب دیکھئے اس نبی کی دعوت سے کچھ اس طرح بوکھلائے ہوئے تھے کہ خود ہی اپنی باتوں کی تردید بھی کرتے جاتے تھے۔ ایک طرف تو وہ یہ استہزاء کرتے تھے کہ آخر اس نبی میں کیا خوبی ہے کہ اللہ نے اسے ہی اپنی رسالت اور نبوت کے لئے منتخب کیا ہے؟ پھر ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ البتہ اس نبی میں یہ خوبی ضرور ہے کہ اس کا پیش کردہ کلام اس قدر پر تاثیر اور زوردار ہے جس کا اثر ہر ایک کے دل کی گہرائیوں تک جا پہنچتا ہے وہ تو ہم ہی تھے جو اپنے دین پر ایسے پکے اور ثابت قدمی سے جمے رہے اور اس کے کلام کا اثر قبول نہیں کیا۔ ورنہ یہ سب کو اپنے دام تزویر میں پھنسا چکا ہوتا۔

قریش کی ان دو متضاد باتوں سے ضمناً چند باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ رسالت کے لئے جو خوبیاں درکار ہوتی ہیں وہ سب آپ ﷺ کی ذات میں موجود تھیں۔ آپ اللہ کا کلام جس انداز میں پیش کرتے تھے اور اس کا نمونہ اپنی ذات سے پیش کرتے تھے وہ عام لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے بہت کافی تھا۔ دوسرے یہ کہ کفار دلائل کے میدان میں مات کھا چکے تھے۔ اب ان کا انکار محض ضد، ہٹ دھرمی اور تقلید آباء کی بنا پر تھا۔

[۵۵] ❁ خواہشات کی اتباع شرک کی ہی ایک قسم ہے:۔ جو شخص اللہ کے بجائے اپنی خواہش نفس کا بندہ یا غلام بن جائے اور اللہ کے احکام کے بجائے اپنی خواہش نفس کی بات ماننے کو ترجیح دے تو ایسے شخص کے راہ راست پر آنے کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں، نہ ہی آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری اٹھا سکتے ہیں۔ قرآن کے انداز بیان سے جو بات فوراً ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے خواہش نفس کی اتباع بھی شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اور خواہش نفس کی اتباع ایک ایسا عام مرض ہے جس میں کافر و مشرک تو درکنار، مومن و مسلم اور عوام و خواص سب ہی تقریباً مبتلا ہوتے ہیں۔ مثلاً عام لوگوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے احکام میں سے جو آسان اور ان کے من پسند ہوں ان پر تو عمل کر لیتے ہیں اور جو مشکل ہوں اور طبیعت کو گراں معلوم ہوتے ہوں انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقتاً شریعت کے متبع نہیں ہوتے بلکہ اپنی خواہشات کے متبع ہوتے ہیں اور خواص یا علماء کی اتباع ہوائے نفس یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیات کی تاویل کر لیتے جو ان کی افتاد طبع ہو اور انہیں پسند ہو، بعض غلط استنباط کر کے اور غلط فتوے دے کر دنیا کا مال بٹورتے ہیں۔ پھر جو اور زیادہ ذہین طبع ہوتے ہیں وہ عوام میں کوئی بدعی عقیدہ رائج کر کے عوام کی توجہ کا مرکز بننا چاہتے ہیں اور نئے فرقہ کی بنیاد رکھ دیتے ہیں جس کی تہہ میں حب مال و جاہ میں سے کوئی نہ کوئی جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور کافر جو انبیاء کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تو ان کا بھی مقصود یہ ہوتا ہے کہ انہیں جو مقام معاشرہ میں حاصل ہے وہ ان سے چھن نہ جائے۔ اور مشرکوں کی اتباع خواہش کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا تو اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت پتھر مل گیا تو پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا۔ یا کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۴۴ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ
مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاۗءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۴۵ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا

سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو مویشیوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے[۵۶] ہیں۔(۴۴) آپ دیکھتے نہیں کہ تمہارا پروردگار کسی طرح سایہ پھیلا دیتا ہے اگر وہ چاہتا تو اسے وہیں ساکن ہی رہنے دیتا پھر ہم نے سورج[۵۷] کو اس پر رہنمائی کرنے والا بنادیا۔(۴۵) پھر (جیسے جیسے سورج بلند ہوتا جاتا ہے) ہم اس سائے کو

شخص نے کسی ولی کے مزار سے متعلق کوئی کرامت یا حاجت روائی کا قصہ بیان کر دیا تو اس کے مزار پر نذریں نیازیں دینا شروع کر دیں۔ پھر کسی اس سے بڑے بزرگ کے مزار کے حالات سے متاثر ہوئے تو اپنی ساری نیاز مندیاں ادھر منتقل کر دیں۔ غرضیکہ جس طرح انسانوں کی بے شمار اقسام ہیں اسی طرح ان کی خواہش نفس اور اتباع کی بھی بے شمار اقسام ہیں اور رسول بھلا ان ہر طرح کے لوگوں کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری کیسے اٹھا سکتے ہیں؟

[۵۶] ❁ کافر مویشیوں سے بدتر کیوں ہیں؟ ایسے انسانوں کی مویشیوں سے بدتر ہونے کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ ہر مویشی اپنے پالنے والے کو خوب پہچانتا ہے اور اس کا وفادار اور فرمانبردار ہوتا ہے۔ اور اپنے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے۔ اور اگر انہیں کھلا چھوڑ دیا جائے تو اپنے مالک کے گھر واپس آتے ہیں۔ لیکن حضرت انسان کا یہ حال ہے کہ وہ بات تسلیم کرنے کے باوجود کہ اس کا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اپنی نیاز مندیوں اور نذروں نیازوں میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک بنا لیتا ہے۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی آنکھوں اور کانوں سے اتنا ہی کام نہ لینا چاہئے جتنا جانور لیتے ہیں۔ مثلاً بھیڑ بکریوں کا ریوڑ اپنے ہانکنے والے کو دیکھتا ہے اور اس کی آواز سنتا ہے۔ بھیڑ بکریاں بس اس کے اشارے پر چلتی ہیں انہیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ہانکنے والا انہیں چرانے کے لئے لے جا رہا ہے یا ذبح کرنے کے لئے۔ کیونکہ اللہ نے انہیں اتنی عقل نہیں دی کہ وہ قرائن سے آنے والے حال کا کچھ اندازہ کر سکیں لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی عقل و تمیز عطا کی ہے کہ وہ چرواہے اور قصائی میں امتیاز کر سکے لیکن اس کے باوجود جو شخص اپنے بھلے اور برے میں تمیز نہ کر سکے یا اسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکے کون اسے سیدھی راہ کی طرف بلا رہا ہے اور کون گمراہی کی تاریکیوں میں دھکیل رہا ہے؟ اس کا دوست کون ہو سکتا ہے اور دشمن کون؟ تو ایسے انسان واقعی جانوروں سے بدتر ہوتے ہیں۔

[۵۷] ❁ سایوں کے بتدریج گھٹنے بڑھنے کے خوشگوار اثرات:۔ سایوں کا سورج سے گہرا تعلق ہے۔ طبعی اصول یہ ہے کہ روشنی کی شعاعیں یا کرنیں ہمیشہ صراط مستقیم میں سفر کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے جہاں بھی روشنی ہو گی چیزوں کا سایہ ہو گا۔ اب اگر کسی چیز کا سایہ روشن چیز سے کم درجہ پر واقع ہو گا تو سایہ لمبا ہو گا اور زاویہ بڑھتا جائے گا تو سایہ چھوٹا ہوتا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر یہ سایہ ۹۰ درجہ پر پہنچ جائے تو ہر چیز کا سایہ اس کے قدموں پر پڑے گا اور بہت چھوٹا رہ جائے گا۔ حتیٰ کہ یہ غائب بھی ہو سکتا ہے۔ اب چونکہ روشنی کا مستقل ..... بااعتماد اور منظم منبع یہی سورج ہی ہے۔ لہٰذا سایوں کے مستقبل منبع کا ذکر کیا اور یہ ذکر اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ ہر قسم کی نباتات اور تمام جاندار اشیاء کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَسِيرًا ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ

آہستہ آہستہ [۵۸] اپنی طرف سمیٹتے جاتے ہیں۔(۴۶) اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس، نیند کو (باعث) آرام اور دن [۵۹] کو جی اٹھنے کا وقت بنایا ہے۔(۴۷) اور وہی تو ہے جو

تربیت اور نشوونما پر اثر انداز ہونے کی چیز سورج کی روشنی یا دھوپ اور سایہ ہی ہوتا ہے اب اگر کسی چیز پر ہمیشہ دھوپ پڑتی رہے یا کوئی چیز ہمیشہ سایہ میں رہے تو اس کی تربیت اور نشوونما کبھی درست طور پر نہ ہو سکے گی۔ دھوپ اور سایہ دونوں ہی اللہ کی نعمتیں ہیں اور دونوں سے ہر چیز کی زندگی کا گہرا تعلق ہے۔ اگر ہمیشہ سایہ ہی رہتا تو زندگی کی یہ بہاریں کبھی قائم نہ رہ سکیں۔

[۵۸] اللہ تعالیٰ سایوں کو پھیلاؤ سے سمیٹتا ہے تو بھی آہستہ آہستہ بتدریج سمیٹتا ہے اور سایوں کا پورا سمٹ جانا عین نصف النہار کے وقت ہوتا ہے یا سر پر ہوتا ہے جبکہ زاویہ قائمہ بن جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد سائے آہستہ آہستہ اور بتدریج بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس تدریج میں بہت سے فوائد مضمر ہیں اور دنیا میں جو بھی تغیر واقع ہوتا ہے اس میں تدریج کا قانون کام کرتا ہے۔ اگر یہ تدریج کا قانون نہ ہوتا تو ہر جاندار کے لئے زندگی دوبھر ہو جاتی مثلاً سورج طلوع ہوتے ہی اتنی شدید گرمی ہوتی جیسے دوپہر کو ہوتی ہے اور یہ گرمی سورج غروب ہونے تک بدستور اتنی ہی تیزی سے رہتی پھر غروب ہونے پر یک لخت سردی ہو جاتی تو یہ چیز بھی ہر جاندار کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

[۵۹] ❁ نیند میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں:۔ اللہ تعالیٰ کا ایک انعام یہ ہے کہ اس نے رات کو تاریک اور ہر چیز کو ڈھانپنے والا بنا دیا۔ تاکہ دن بھر کے تھکے ماندے لوگ رات کو آرام کر سکیں۔ اور آرام کے لئے رات کی تاریکی اور خاموش ماحول بہت سازگار ہوتا ہے رات کی نیند بھی اللہ کی ایک خاص نعمت ہے اور اس نعمت کی قدر اس شخص سے پوچھئے جسے رات کو نیند نہ آتی ہو۔ پھر اس نیند میں بھی اللہ تعالیٰ کی کئی نشانیاں ہیں۔ دن بھر کام کرنے سے اور محنت سے جسم کے کچھ خلیے حرارت سے جل جاتے ہیں۔ جب انسان سوتا ہے تو ان جلے ہوئے خلیوں کی جگہ نئے خلیے پیدا ہو جاتے ہیں اور جب یہ عمل پورا ہو چکتا ہے تو انسان کو جاگ آجاتی ہے اور وہ تازہ دم ہو کر دوسرے دن کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے انسان جس قدر زیادہ تھکا ہوا ہوگا۔ اتنی ہی اسے گہری نیند آئے گی اور تادیر آئے گی۔ تاکہ اس کے جلے ہوئے خلیوں کی تلافی مافات ہو سکے۔ بعض دفعہ انسان گہری نیند کی علامت کے طور پر خراٹے بھی لیتا ہے یہ اللہ کی ایک اور نشانی ہے اور بعض دفعہ خواب بھی دیکھتا ہے۔ اب اگر خواب کی حقیقت پر غور کرنا شروع کیا جائے تو انسان اللہ تعالیٰ کے اس محیر العقول کرشمے کی پہنائیوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں کیا کچھ عجائبات سمو دیئے ہیں۔ اس آیت سے سرسری طور پر جو بات ذہن میں آتی ہے کہ وہ یہ ہے کہ اللہ نے کام کاج کے لئے دن اور آرام کے لئے رات بنالی ہے۔ اب اگر انسان اس کا الٹ کرے گا یعنی رات کو کام اور دن کو آرام کرے گا تو اس کے نتائج انسان کے حق میں بہتر نہیں ہو سکتے اور اس کی صحت تادیر قائم نہ رہ سکے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ۝۴۸ لِّنُحْيِۦ بِهٖ

اپنی رحمت (بارش) سے پیشتر ہواؤں[۶۰] کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے اور ہم نے ہی آسمان سے صاف ستھرا[۶۱] پانی اتارا ہے۔(۴۸)

[۶۰] ہواؤں کی مختلف اقسام:۔ ریاح کا لفظ ریح کی جمع ہے۔ جس کا معنی محض ہوا ہے خواہ وہ چل رہی ہو یا ساکن ہو اور اگر وہ حرکت میں ہو یعنی چل رہی ہو تو عربی زبان میں ہر سمت سے چلنے والی ہوا کے لئے الگ الگ لغت ہے۔ جو ہوا شمال سے جنوب کی طرف چل رہی ہو اس ہوا کو بھی شمال ہی کہتے ہیں اور یہ عموماً بارش لاتی ہے اور جو جنوب سے شمال کو چلے اسے جنوب کہتے ہیں اور یہ عموماً بادلوں کو اڑا لے جانے والی ہوتی ہے جو مشرق سے مغرب کو عموماً صبح کے وقت چلتی ہے اسے صبا کہتے ہیں اور یہ دل کو فرحت بخشنے والی ہوتی ہے اور جو مغرب سے مشرق کو چلے اسے دبور کہتے ہیں۔ اسے منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ عاد کی قوم اسی ہوا سے ہلاک ہوئی تھی۔

اگرچہ ریاح ریح کی جمع ہے لیکن قرآن نے ریح اور ریاح کو الگ الگ مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ ریح کا لفظ عموماً عذاب دینے والی ہوا کے لئے استعمال ہوا ہے (مثالوں کے لئے دیکھئے ۳:۱۱۷، ۱۴:۱۸، ۳۳:۹، ۵۴:۱۹ وغیرہ) اور ارسال الریح کا لفظ عموماً رحمت کی ہواؤں کے لئے آتا ہے۔ جیسے اس مقام پر بھی ہوا ہے (نیز دیکھئے ۷:۵۷، ۱۵:۲۲، ۳۰:۴۶، ۳۰:۴۸ وغیرہ) اور باران رحمت لانے والی ہواؤں کے لئے جمع کا صیغہ غالباً اس لئے استعمال ہوا ہے کہ اس میں آبی بخارات بھی شامل ہوتے ہیں۔ سورج کی یا آگ کی حرارت سے پانی کی سطح پر سے جو آبی بخارات اٹھتے ہیں ان کا خاصہ صرف یہ ہے کہ وہ سیدھا اوپر کو اٹھتے ہیں اوپر اٹھ کر کوئی خاص سمت اختیار کرنا آبی بخارات کا خاصہ نہیں ہے۔ اب ان کو ہوائیں ہی کسی خاص سمت میں جس طرف اللہ کو منظور ہوتا ہے، اڑا لاتی ہیں۔ اور جس مقام پر اللہ تعالیٰ کو بارش برسانا منظور ہوتا ہے وہاں پہلے ہی ایسی پانی سے لدی ہواؤں کے ٹھنڈے جھونکے آنا شروع ہو جاتے ہیں جو ایک طرف تو بارش کی آمد کی خوشخبری بتاتے ہیں دوسری طرف دلوں کو عجیب طرح کا سرور بخشتے ہیں۔

[۶۱] بارش کے پانی کا خوشذائقہ ہونا اللہ کی ایک نشانی ہے:۔ آبی بخارات عموماً سمندر کی سطح پر سورج کی گرمی سے اوپر اٹھتے ہیں سابقہ آیات میں سایوں کا، پھر رات کے پرسکون ہونے اور دن کے وقت کام کاج کرنے کا ذکر تھا اور یہ سب باتیں سورج سے متعلق ہیں اور بارش کا سلسلہ بھی سورج ہی سے متعلق ہے۔ اسی نسبت سے ساتھ ہی اس کا بھی ذکر آگیا۔ اب یہ تو واضح بات ہے کہ سمندر کا پانی کڑوا اور سخت نمکین ہوتا ہے پھر اس میں کئی قسم کے کیمیائی اجزاء بھی ملے ہوتے ہیں۔ سمندر کا پانی جسم کے کسی حصے پر لگ جائے تو اسے چبھنے لگ جاتا ہے۔ اور جب تک سادہ اور صاف پانی سے وہ جگہ دھوئی نہ جائے چین نہیں آتا۔ لیکن حیران کن بات ہے کہ اس کے بخارات سے جو بارش برستی ہے اس میں نہ نمک کی آمیزش ہوتی ہے نہ کسی دوسرے کیمیکل کی۔ حالانکہ ہم خود آبی بخارات کے ذریعہ عرق کشید کرتے ہیں۔ مثلاً سونف کا عرق یا گلاب کا عرق تو اس عرق میں سونف یا گلاب کا ذائقہ، تاثیر حتیٰ کہ خوشبو تک سب کچھ منتقل ہو جاتا ہے۔ مگر سمندر کے آبی بخارات سے برسنے والی بارش ہر قسم کے اثرات سے پاک صاف اور محفوظ ہوتی ہے۔ اور یہ پانی خود ہی پاک صاف نہیں ہوتا بلکہ دوسری اشیاء کو بھی گندگی، غلاظت اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ
فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ

تاکہ ہم اس پانی سے مردہ علاقے کو زندہ کر دیں اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب [۶۲] کریں۔(۴۹) ہم نے یہ بات مختلف طریقوں سے ان کے سامنے بیان کی ہے تاکہ وہ کچھ سبق حاصل کریں [۶۳]۔ لیکن اکثر لوگ کفر کے سوا کوئی اور بات تسلیم ہی نہیں کرتے(۵۰) اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا (پیغمبر) بھیج دیتے۔(۵۱) لہٰذا آپ کافروں کی بات نہ مانئے اور اس

نجاست سے پاک صاف بنا دیتا ہے۔

[۶۲] ❁ بارش کو ستاروں کی گردش سے منسوب کرنے والا کافر ہے:۔ اگر سمندر کا پانی اپنی اصلی حالت میں کھیتی کو پلایا جائے تو کھیتی مرجھا کر تباہ ہو جائے۔ اور اگر کوئی جاندار پی لے تو اس کی آنتوں کو کاٹ کے رکھ دے یا کم از کم زخمی کر کے رکھ دے۔ لیکن اسی سمندر کے پانی کے بخارات جب بارش میں منتقل ہوتے ہیں تو کیا نباتات، کیا حیوان اور کیا انسان سب کے لئے یہ پانی حیات بخش ثابت ہوتا ہے۔ کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور جاندار مخلوق بارش ہونے سے پہلے ہواؤں کی آمد پر ہی مسرور ہو کر جھومنے لگتی ہے۔ نباتات سے ہی جاندار مخلوق کو غذا حاصل ہوتی ہے اور اس کے پینے کے لئے اللہ تعالیٰ صاف ستھرا پانی دیتا ہے۔ جمادات کے علاوہ اس کائنات ارضی پر کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کی زندگی کی بقا پانی کے بغیر ممکن ہو۔

[۶۳] جتنی بھی اللہ کی نشانیاں اوپر مذکور ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ان سے سبق حاصل کرنے کے لئے تھوڑی نہیں بلکہ بہت کافی ہیں۔ مگر انسانوں کی اکثریت ایسی ہے جو نہ ان باتوں پر دھیان دیتی ہے اور نہ اللہ کی ان نعمتوں کا شکر بجا لاتی ہے۔ اور بعض انسان تو ایسے غلط عقائد میں مبتلا ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بارش فلاں ستارہ کے فلاں پنچھتر میں داخل ہونے سے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی ایسے عقائد عام تھے اور ہر اچھی اور بری بات کو سیاروں کی گردش سے منسوب کر دیا جاتا تھا۔ حدیبیہ کے مقام پر جہاں آپ ﷺ چودہ سو صحابہ سمیت عمرہ کی غرض سے تشریف لائے ایک رات بارش ہوئی جو عرب جیسے بے آب و گیاہ ملک میں ایک عظیم نعمت متصور ہوتی تھی تو صبح آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "میرے بندوں میں سے کچھ لوگ مجھ پر ایمان لائے اور ستاروں کے منکر ہوئے۔ یعنی جس شخص نے یہ کہا کہ یہ بارش اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا اور جس نے کہا کہ یہ بارش فلاں ستارے کے فلاں پنچھتر میں داخل ہونے سے ہوئی تو وہ میرا منکر ہوا اور ستاروں پر ایمان لایا" (بخاری۔ کتاب الصلوۃ۔ باب یستقبل الامام الناس اذا سلم)

گویا ستاروں کے اثرات کو تسلیم کرنا اور اللہ پر ایمان لانا دو متضاد باتیں ہیں ان میں سے صرف ایک ہی چیز قبول کی جا سکتی ہے جو ستاروں کے اثرات کو تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان نہیں اور جو مسلمان ہے وہ ان اثرات کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ

قرآن کی ہدایات کے مطابق ان سے زبردست جہاد[۶۴] کیجئے۔(۵۲) اور وہی تو ہے جس نے دو سمندروں کو ملا[۶۵] رکھا ہے جن میں سے ایک کا پانی لذیذ و شیریں ہے اور دوسرے کا کھاری کڑوا۔

[۶۴] ۞ کافروں سے جہاد کبیر کیوں اور کیسے؟ یعنی ہم چاہتے تو ہر بستی میں الگ الگ نبی بھیج دیتے اور ہر جگہ ہی حق و باطل کے معرکے بپا ہوتے۔ لیکن ہماری مشیت یہی ہے کہ اب ایک ہی آفتابِ نبوت بھیج دیا جائے جس کی رسالت سب لوگوں کے لیے یکساں ہو اور تا قیامت ہو۔ جیسا کہ ایک ہی آفتاب ساری دنیا کو منور کر رہا ہے اور تا قیامت کرتا رہے گا۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ نبی جتنا عظیم الشان ہو گا معرکہ حق و باطل بھی اتنا ہی بڑا ہو گا۔ اسی لئے یہ تاکید فرمائی کہ کافروں سے کسی قسم کے سمجھوتہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ اپنی پوری قوت کے ساتھ ان کافروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیجئے۔ یہ خطاب اگرچہ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس میں آپ کی پوری امت بھی شامل ہے۔ جہاد کا لغوی معنی کسی مقصد کے حصول کے لئے بھرپور کوشش ہے اور جہاد کبیر میں تاکید مزید بھی پائی جاتی ہے اور وسعت اور پھیلاؤ بھی۔ یعنی ایک تو اس امت کا ہر فرد اپنی اس کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے اور اپنے تمام تر ذرائع استعمال کرے۔ اور دوسرے یہ کہ دشمن کا ہر اس محاذ پر مقابلہ کیا جائے۔ جس پر اسلام دشمن طاقتیں کام کر رہی ہوں۔ اور اس میں زبان و قلم کا جہاد بھی شامل ہے، مال کا بھی اور توپ و تفنگ کا بھی۔ غرضیکہ جس محاذ پر بھی دشمن حملہ آور ہو اسی محاذ پر اس کا پوری قوت سے مقابلہ کیا جائے۔

[۶۵] ۞ مرج کا لغوی مفہوم:۔ مرج کا لغوی معنی دو چیزوں کو اس طرح ملانا یا ان کا آپس میں اس طرح ملنا ہے کہ ان دونوں کی انفرادی حیثیت اور خواص برقرار رہیں۔ جیسے غصن مریج باہم گتھی ہوئی ٹہنی (مفردات امام راغب) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ایک نہایت محیر العقول نشانی بتائی ہے اور وہ نشانی اتنی عام ہے جو بے شمار لوگوں کے مشاہدہ میں آچکی ہے۔ اور جغرافیہ دان حضرات اور جغرافیہ پڑھنے والے طالب علم اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ سمندروں کے اندر بھی ایسے دریا چل رہے ہیں جیسے سطح زمین پر بہہ رہے ہیں۔

۞ گرم پانی میں ٹھنڈے اور ٹھنڈے پانی میں گرم رو ئیں چلانا بھی اللہ کی ایک بہت بڑی نشانی ہے:۔ کہیں گرم پانی کی رو ئیں چل رہی ہیں کہیں ٹھنڈے پانی کی، کہیں کھاری پانی کی، کہیں میٹھے پانی کی، اور یہ رو ئیں اتنی لمبی ہوتی ہیں جو سمندر کے اندر ہی اندر ایک ملک سے دوسرے ملک تک چلی جاتی ہیں۔ پھر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اوپر کھاری پانی ہے، نیچے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا دریا بہہ رہا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک طرف کھاری پانی کا دریا بہہ رہا ہے تو اس کے ساتھ متصل میٹھے پانی کا دریا چل رہا ہے اور یہ پانی اپنی اپنی حدود کے اندر رہتے ہیں۔ باہم ملتے نہیں۔ اور ملاح حضرات اپنی واقفیت کی بنا پر سمندر میں سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی بھی حاصل کر لیتے ہیں اور میں نے خود دو مقامات چترال اور کراچی میں دیکھا ہے کہ ایک طرف گرم پانی کا چشمہ ابل رہا اور ساتھ ہی متصل دوسری طرف ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ ابل رہا ہے حالانکہ زمین کے نیچے پانی کی سطح ایک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی کی یہ مثال اسی لئے دی ہے کہ یہ بات عام لوگوں کے مشاہدہ میں آچکی ہے اب سوال یہ ہے کہ پانی یا ہر سیال چیز کی جہاں یہ خاصیت ہے کہ وہ بہتی ہے وہاں یہ بھی ہے کہ اگر ایک ہی نوع کی ہو تو آپس میں مل بھی جاتی ہے مگر ایسے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے پانی کی اس خاصیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ

پھر ان کے درمیان ایک پردہ اور سخت روک کھڑی کر دی ہے۔[۶۶] (جو ان دونوں کو ملنے نہیں دیتی) (۵۳) اور وہی ہے جس نے پانی (نطفہ) سے انسان کو پیدا کیا پھر (میاں بیوی) سے نسب اور سسرال[۶۷] کا سلسلہ چلایا اور آپ کا پروردگار بڑی ہی قدرت والا ہے۔ (۵۴)

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ اور

کو سلب کر لیا۔ تاکہ سمندر کے اندر یا سمندر کے کناروں پر بسنے والی مخلوق کو پینے کیلئے ٹھنڈا اور میٹھا پانی مہیا ہو سکے تاکہ وہ اپنی زندگی کو برقرار رکھ سکے۔ کیا اب بھی غافل انسان اپنی چشم بصیرت سے اللہ کی اس نشانی اور عظیم الشان نعمت اور قدرت کو نہ دیکھے گا؟

[۶۶] یہاں حجرا مھجورا کا لفظ محاورتاً نہیں بلکہ اپنے اصل اور لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

[۶۷] ❁ نطفہ سے مرد اور عورت کی تخلیق۔ نیز ان کی جسمانی ساخت اور کارکردگی میں اللہ کی محیر العقول تقدیر:۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ کیا کم ہے کہ اس نے پانی کی ایک بوند سے انسان جیسی محیر العقول مشینری رکھنے والی مخلوق پیدا کر دی۔ مزید یہ کہ اس پیدا ہونے والے بچہ کو جو مختلف نوعوں میں تقسیم کر دیا۔ کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی۔ اور یہ دونوں انسان ہونے کے اعتبار سے تو یکساں ہیں۔ مگر اپنی جسمانی ساخت اور خصوصیات میں بہت سے امور میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تاہم اس اختلاف کے باوجود وہ دونوں مل کر ایک ہی مقصد پورا کرتے ہیں اور وہ ہے بقائے نسل انسانی۔ ان دونوں نوع کے ملاپ سے دنیا میں ہزاروں مرد اور عورتیں پیدا ہو رہے ہیں۔ پھر اس اختلاف کی بنا پر رشتہ داریاں بھی دو طرح کی بن جاتی ہیں۔ ایک وہ جن کے ہاں عورتیں بہو بن کر آتی ہیں اور یہ نسبی رشتہ داری ہے۔ جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ اور دوسرے وہ جن کے ہاں ہماری بیٹیاں، پوتیاں وغیرہ بہو بن کر جاتی ہیں یہ سسرالی رشتہ داریاں ہیں۔ پھر ان دونوں قسم کی رشتہ داریوں کے باہمی تعلقات سے پورا معاشرہ جڑ جاتا ہے اور ایک ہی جیسا تمدن وجود میں آجاتا ہے۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو لڑکے اور لڑکی کی جسمانی ساخت میں صرف شرمگاہوں کا فرق ہوتا ہے جس سے ہم یہ تمیز کرتے ہیں کہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ پھر کچھ اختلاف بلوغت پر نمایاں ہوتے ہیں۔ جیسے لڑکے کو احتلام ہونا اور داڑھی اور مونچھوں کے بالوں کا اگنا اور لڑکیوں کو حیض آنا اور اس کے پستانوں میں ابھار کا پیدا ہونا۔ پھر کچھ امور ایسے ہیں جن کا تعلق استقرار حمل سے ہوتا ہے جیسے عورت کے پستانوں میں دودھ کا اتر آنا۔ کیونکہ جب تک حمل قرار نہ پائے دودھ بنتا ہی نہیں۔ پھر جوانی ڈھلنے پر عورت کا حیض آنا از خود بند ہو جاتا ہے اور مرد میں مادہ منویہ کی پیدائش از خود رک جاتی ہے۔ اور دونوں کے شہوانی جذبات افسردہ پڑنے لگ جاتے ہیں اور یہ ایسے لگے بندے قوانین فطرت ہیں جن میں کبھی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ ان امور پر غور کرنے سے بے اختیار یہ بات زبان پر آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے جس قسم کا کام لینا ہوتا ہے اس پر وہ پوری قدرت رکھتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ

کافر اپنے پروردگار کے مقابلہ پر (باغی کا) مددگار[۶۸] بنا ہوا ہے۔(۵۵) اور (اے نبی!) ہم نے تو آپ کو بس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا[۶۹] بنا کر بھیجا ہے۔(۵۶)

آپ ان سے کہئے: کہ میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میری اجرت بس یہی ہے کہ جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کا راستہ اختیار کرے۔[۷۰] (۵۷) اور اس ذات پر توکل کیجئے۔ جو (ہمیشہ سے) زندہ ہے اور اسے کبھی

[۶۸] کافر کا کام یہ ہوتا ہے کہ جہاں کہیں بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا کام شروع ہو تو وہ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اس کی اخلاقی زبانی، مالی اور جانی ہمدردیاں ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہیں جو اقامتِ دین الٰہی کے راستہ میں مزاحم ہو رہے ہوں۔ انہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ان کی زندگی اور اس کی بقاء کے اسباب تو اللہ تعالیٰ حیرت انگیز طریقوں سے مہیا کر رہا ہے۔ لہٰذا انہیں اسی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بن کر رہنا چاہئے۔ الٹا وہ ہر اس عمل اور اس سازش میں شریک ہو جاتا ہے جو اللہ کی نافرمانی پر مشتمل ہو اور ایسی چیزوں کی عبادت گزاری اور فرمانبرداری کرنے لگتا ہے جن کے اختیار میں ان کا اپنا بھی نفع و نقصان نہیں ہوتا۔

[۶۹] ❁ کافروں اور مسلمانوں کے لئے آپ کی ذمہ داری کی نوعیت:۔ یعنی آپ ﷺ کا یہ کام نہیں کہ آپ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے مجبور کریں۔ نہ ہی یہ کام ہے کہ ایمان نہ لانے والوں کو کچھ سزا دیں اور ایمان لانے والوں کو مالی امداد بہم پہنچائیں۔ بلکہ آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ سب لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کر دیں۔ منکرینِ حق کو ان کے برے انجام سے ڈرائیں اور ایمان لانے والوں کو ان کے اعمالِ صالحہ کے اجر کی خوشخبری دیں۔ بس آپ کا کام اتنا ہی ہے۔

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایسا خطاب دراصل کافروں کو دعوت دینے کی حد تک ہے۔ ورنہ جو لوگ ایمان لے آئیں تو ان کے لئے نبی کا کام اتنا ہی نہیں کہ آپ انہیں بھی بس ان کے اعمالِ صالحہ کی خوشخبری دے دیں۔ بلکہ ان کی تعلیم، ان کی تربیت، اور تزکیہ نفس سب کچھ آپ کی ذمہ داریوں میں شامل ہے اور قرآن کریم نے اس مضمون کو چار مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے اور آپ کی مسلمانوں کے لئے چار ذمہ داریاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ ان کو قرآنی آیات پڑھ کر سنائیں، ان کا تزکیہ نفس کریں۔ انہیں کتاب کی بھی تعلیم دیں اور حکمت بھی۔ (مزید تشریح کے لئے دیکھئے ۲:۱۲۹، ۲:۱۵۱، ۳:۱۶۴)

[۷۰] ❁ انبیاء کی محنت کا صلہ؟ انبیاء کی دعوت اور کفار کے انکار کے سلسلہ میں انبیاء کی طرف سے جواب کے طور پر یہ جملہ قرآن میں متعدد مقامات پر مذکور ہے۔ اور اس جواب کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ اگر تمہیں میرا یہ دعوت الی اللہ کا کام پسند نہیں آتا تو میں تم سے کوئی معاوضہ یا تنخواہ تھوڑے لے رہا ہوں جو تم اسے بند کر دو گے اور میں اپنا کام چھوڑ دوں گا اور نہ ہی تم سے میرا اس قسم کا مطالبہ ہے۔ لہٰذا تمہیں یہ کام پسند ہو یا نہ ہو یا میں اپنا کام کئے ہی جاؤں گا اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ میں بالکل بے لوث اور بے غرض ہو کر تمہاری بھلائی کی خاطر تمہیں سیدھے راستے کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور میں تم سے لیتا بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ۝ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۛ الرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ

موت[۷۱] نہیں آئے گی۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبر رکھنے کو کافی ہے۔(۵۸) جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر[۷۲] قرار پکڑا وہی رحمٰن[۷۳] ہے، اس کا حال کسی باخبر سے[۷۴] پوچھ لیجئے۔(۵۹)

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ "رحمٰن" کیا ہوتا ہے؟[۷۵] کیا ہم اس کو

کچھ نہیں بلکہ الٹا تم سے مذاق اور استہزاء سنتا اور تکلیفیں اٹھا رہا ہوں پھر بھی تمہیں اتنا خیال تک نہیں آتا کہ کم از کم اس کی بات پر بھی کچھ غور و فکر تو کر لیں۔ اس آیت کا اگلا حصہ اسی پہلو یا اسی مطلب کی تائید کر رہا ہے۔ یعنی اگر اللہ نے چاہا اور تم میں سے کوئی ایک شخص بھی ہدایت کی راہ پر آ گیا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت کا صلہ یا معاوضہ مجھے مل گیا۔

[۷۱] یعنی میں اس ہستی پر توکل کرتا ہوں جو ہمیشہ سے زندہ اور قائم و دائم ہے اور قائم دائم اور زندہ ہی رہے گی۔ تمہارے معبودوں کی طرح مخلوق نہیں، نہ وہ اس قدر محتاج ہے کہ اسے اپنی ذات کو قائم رکھنے کے لئے بھی اپنے عقیدت مندوں کی احتیاج ہو اور جو اپنے بھی نفع و نقصان کی مالک نہیں وہ تمہارا کیا بگاڑ یا سنوار سکتی ہے۔ مجھے ایسی ہستی کی عبادت کا حکم ہے اور وہ تمہارے جیسے منکروں کی کرتوتوں سے پوری طرح واقف ہے اور ان کرتوتوں پر تمہیں سزا دینے پر قادر بھی ہے۔

[۷۲] استویٰ علی العرش کی تفسیر کے لئے سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۵ کا حاشیہ نمبر ۳، سورہ اعراف کی آیت نمبر ۵۴ کا حاشیہ نمبر ۵۴۔

[۷۳] استویٰ علی العرش کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور بعض مقامات پر رحمٰن کی طرف جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمٰن بھی اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور اللہ کی باقی صفات بھی، جن کا سابقہ آیات میں ذکر ہوا ہے۔ رحمٰن کی طرف منسوب کی جا سکتی ہیں۔

[۷۴] یہاں خبیر سے مراد ایسا عالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی کائنات میں بکھری ہوئی آیات میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم حاصل کیا ہو۔ ایسے ہی خبیر کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر لفظ عالم سے تعبیر فرمایا ہے جہاں ایسی بہت سی آیات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (۲۸:۳۵) یعنی اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے صرف عالم لوگ ہی ڈرتے ہیں۔ تاہم اس سے نقلی علوم وحی کو جاننے والے حضرات بھی مراد لئے جا سکتے ہیں اور بعض انبیاء کو بھی تو اللہ تعالیٰ نے ملکوت السموات والارض کا مشاہدہ بھی کرایا تھا۔ اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے عالم اور خبیر ہوئے اس کے بعد دوسرے انبیاء۔ پھر ان کے بعد اس صف میں وہ عالم دین بھی شامل ہو جاتے ہیں جو اپنے علم میں راسخ ہوں۔ خواہ وہ تورات کے عالم ہوں یا کسی اور الہامی کتاب کے۔

[۷۵] ❁ رحمٰن کے لفظ سے قریش کی چڑ:۔ قریش مکہ کے سامنے جب رحمٰن کا ذکر کیا جاتا تو از راہ تحقیر کہا کرتے کہ "رحمٰن کیا ہوتا ہے؟" یہاں ذوی العقول کے لیے ما کا لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ قریش رحمٰن سے ناواقف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ
بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ

سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے؟" اور (یہ دعوت) ان کی نفرت میں مزید اضافہ [۷۶] کر دیتی ہے۔(۶۰)
بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج [۷۷] بنائے اور اس (آسمان) میں چراغ (سورج) اور چمکتا ہوا چاند [۷۸] پیدا کیا۔(۶۱) اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو بار بار ایک دوسرے کے بعد آنے والا [۷۹] بنایا۔ اب جو چاہے اس سے

محض تھے بلکہ یہ تھی کہ رحمٰن کا لفظ ان کے ہاں مروج نہ تھا۔ اور انہیں اس لفظ سے چڑ سی ہو گئی تھی جیسا کہ پہلے سورہ رعد کی آیت نمبر ۳۰ کے حاشیہ ۳۹ میں گزر چکا ہے اور جب انہیں رحمٰن کو سجدہ کرنے کو کہا جاتا تو یکدم بھڑک اٹھتے تھے اور ان کی حرکت محض ضد اور تعصب کی وجہ سے ہوتی تھی۔ ورنہ اگر انہیں فی الواقع رحمٰن کا علم نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان پر گرفت کرنے کے بجائے انہیں نرمی سے سمجھا اور بتا سکتے تھے۔

[۷۶] اس آیت کی اختتام پر سجدہ تلاوت مشروع ہے۔ قاری کے لئے بھی اور سامع کے لئے بھی تاکہ اللہ کی اطاعت گزاروں اور قریش مکہ جیسے اسلام دشمنوں کے درمیان فرق معلوم ہو سکے۔

[۷۷] آسمان میں بارہ برجوں کی وضاحت کے لئے سورہ حجر کی آیت نمبر ۱۶ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

[۷۸] ۞ چاند اور سورج کی روشنی میں فرق اور دوسرے فوائد:۔ دن کے وقت سورج روشنی کا سب سے بڑا قدرتی منبع ہے اور رات کے وقت چاند۔ پھر ان دونوں کی روشنی میں بڑا فرق ہے۔ سورج کی روشنی میں تپش اور حرارت ہے اور وہ سرخی مائل ہوتی ہے اور اس کی شعاعیں انسان کی آنکھ کے سامنے والے پردہ پر پڑیں تو سخت کوفت ہوتی ہے۔ جبکہ چاند کی روشنی میں ایک سرور بخش ٹھنڈک ہوتی ہے اور انسان کا جی چاہتا ہے کہ اس کی طرف دیکھتا رہے۔ حتیٰ کہ چاند کی چاندنی کا تصور ہی ہر شخص کی خوشی کا باعث ہے پھر ان دونوں سیاروں سے ہمیں صرف روشنی ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اور بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ فصلوں کے پکنے کا انحصار سورج ہی سے متعلق ہے۔ دھوپ سے کئی قسم کے نقصان دہ جراثیم اور کیڑے مکوڑے مر جاتے ہیں۔ ہر جاندار کی زندگی اور صحت کے لئے بھی دھوپ کی ایک معین مقدار نہایت ضروری ہے چاند جب زائد النور ہوتا ہے تو اس دوران پھلوں میں تیزی سے رس پیدا ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان سیاروں سے انسان کو گوناگوں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

[۷۹] ۞ خِلْفَةً کا لغوی مفہوم:۔ خِلْفَةً کے معنی ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے۔ رات کے پیچھے دن آتا ہے اور دن کے پیچھے رات۔ اور یہ بار بار ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں۔

موجودہ نظریہ ہیئت کے مطابق دن رات سورج کے سامنے زمین کی محوری یک روزہ گردش کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کا محیط پچیس ہزار میل ہے اور زمین اپنی محوری گردش پورے چوبیس گھنٹہ میں پوری کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہم نے زمین کی محوری گردش کی مدت کو چوبیس گھنٹہ میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اور دن اور رات کے اوقات میں کمی بیشی زمین کی سورج کے گرد سالانہ گردش کی وجہ سے ہوتی ہے اس نظریہ کی رو سے اللہ کی قدرت کے یہ کرشمے اور بھی محیر العقول بن جاتے ہیں جس نے اتنے بڑے بڑے عظیم الجثہ کروں کو بجلی کی تیز رفتاری سے اس طرح محو گردش بنا رکھا ہے کہ ان کے نتائج میں کبھی ایک سیکنڈ کی بھی تقدیم و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا

سبق حاصل کرے اور جو چاہے شکر گزار بنے(۶۲) اور رحمٰن کے (حقیقی) بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری[۸۰] سے چلتے ہیں اور اگر جاہل ان سے مخاطب ہوں تو بس سلام[۸۱] کہہ کر (کنارہ کش رہتے ہیں)(۶۳) اور جو اپنے پروردگار کے حضور سجدہ اور قیام میں راتیں[۸۲] گزارتے ہیں(۶۴) اور دعا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار!

تاخیر نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی ان کروں کا آپس میں کہیں تصادم ہوتا ہے۔

[۸۰] ۞ اللہ کے بندوں کی صفات:۔ سابقہ آیات میں رحمٰن اور رحمٰن کی نشاندہی کا ذکر چل رہا تھا تو یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی نسبت اپنی طرف کرنے کے بجائے رحمٰن کی طرف منسوب کر کے واضح کر دیا کہ رحمٰن بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ذاتی نام ہے۔ ویسے تو جتنی بھی اللہ کی مخلوق ہے سب ہی رحمٰن کے بندے ہیں۔ لیکن یہاں اس سے مراد اللہ کے وہ بندے ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں۔ اگلی آیات میں ایسے ہی اللہ کے بندوں کی کچھ صفات مذکور ہیں۔ ان آیات میں دراصل رحمٰن کے بندوں اور شیطان کے بندوں کا طرز زندگی اور ان کے اعمال و افعال کا تقابل پیش کیا جا رہا ہے۔ پہلے شیطان کے بندوں کا ذکر چل رہا تھا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی صفات بیان کر کے بہت سی باتوں کو انسان کے فہم پر چھوڑ دیا ہے۔

۞ تکبرانہ چال کی ممانعت' چال انسان کے خیالات کی عکاس ہوتی ہے:۔ اللہ کے بندوں کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ ان کی چال میں انکساری ہوتی ہے تکبر کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ انسان کی چال ایسی چیز ہے جو اس کے ذہن کی پوری پوری عکاسی کر دیتی ہے۔ ایک شریف النفس اور سلیم الطبع انسان کی چال اور قسم کی ہوتی ہے۔ کسی ظالم و جابر کی اور قسم کی، اوباش اور غنڈوں کی اور قسم، اور متکبر اور شیخی باز لوگوں کی اور قسم کی۔ گویا ہر انسان کے چال ڈھال سے پہلی نظر میں ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ انسان کون سے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں چال کی صفت میں هَوْنًا کا لفظ استعمال فرمایا هُوْنًا نہیں فرمایا۔ هَوْنًا کا مطلب ایسی چال ہے جس میں تواضع، سبکساری اور وقار پایا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال ایسی ہی ہوتی تھی۔ قدم چھوٹے مگر تیز گام اور چال میں وقار ہوتا تھا اور هُوْنًا کا مطلب ایسی چال ہے جس میں کمزوری، کم ہمتی اور ذلت کا پہلو محسوس ہوتا ہے جیسے کسی بیمار اور بڑے بوڑھے کی چال یا کسی ایسے ریاکار کی چال جو لوگوں میں اپنی انکساری کا سکہ بٹھانا چاہتا ہو۔ جیسے متکبرانہ چال ممنوع ہے ویسے ہی اس طرح کی چال بھی ممنوع ہے۔ (نیز دیکھئے سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۳۷ کا حاشیہ)

[۸۱] ۞ بیہودہ مجالس سے اجتناب:۔ جاہل سے مراد بے علم یا کم علم یا نادان نہیں بلکہ کج بحث قسم کے لوگ ہیں جن کا بحث میں مقصود کچھ سبق حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ مخاطب کو نیچا دکھانا یا اس کا مذاق اڑانا ہوتا ہے۔ اللہ کے بندوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی فضول اور بیہودہ باتوں میں پڑ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ نہ ہی وہ ایسے لوگوں کی بدتمیزی یا بیہودگی کو برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ اگر کسی ایسے شخص سے سابقہ پڑ بھی جائے تو سلام کہہ کر اس سے کنی کترا جاتے ہیں۔ وہ گالی کا جواب گالی سے یا اینٹ کا جواب پتھر سے دینے والوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور ایسے لوگوں کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتے!

[۸۲] ۞ رات کی تنہائی میں اللہ کی یاد اور نماز تہجد:۔ اللہ کے بندوں کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ راتوں کو بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ بلکہ انہیں رات کو عبادت میں زیادہ مزا آتا ہے۔ اس لئے کہ ایک تو رات کی عبادت میں ریا کا شائبہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾
وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِينَ لَا

جہنم کے عذاب سے ہمیں بچائے رکھنا، کیونکہ اس کا عذاب ٹلنے والا نہیں۔(۶۵) بلاشبہ وہ جائے قرار بھی بری ہے[۸۳] اور مقام بھی برا ہے۔(۶۶) اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان[۸۴] اعتدال پر ہوتا ہے۔(۶۷) اور اللہ کے ساتھ کسی

نہیں ہوتا۔ دوسرے رات کی تنہائیوں میں بندہ جس طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے اور مناجات کر سکتا ہے دن کو نہیں کر سکتا۔ اسی لئے احادیث میں رات کی عبادت اور بالخصوص نماز تہجد کی بہت فضیلت مذکور ہے۔ نیز سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کو اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان سات آدمیوں میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں بہہ نکلیں" (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب الصدقة باليمين)

[۸۳] ایمان کا تقاضا اللہ سے امید بھی اور ڈر بھی:۔ یعنی راتوں کی عبادت یا ان کے دوسرے نیک اعمال انہیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر دیتے کہ اب وہ یقینی طور پر جنت کے مستحق ہو گئے ہیں۔ نہ ہی ان میں ان اعمال کی بجا آوری پر پندار نفس یا غرور پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

غرور زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو کہ بندگانِ خدا پر زبان دراز کرے

بلکہ وہ اللہ سے یہ دعا بھی کرتے رہتے ہیں کہ اگر ان اعمال کی بجا آوری میں کچھ تقصیر ہو گئی ہے تو معاف فرما دے۔ ان اعمال کو جیسے بھی وہ ہیں قبول فرمالے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھنا گویا اللہ کے بندوں کی چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں کر بیٹھتے بلکہ ان کا اصل اعتماد اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔

[۸۴] اسراف و تبذیر میں فرق:۔ اسراف کا اطلاق ضرورت کے کاموں سے زیادہ خرچ کرنے پر ہوتا ہے۔ مثلاً اپنے سامان خورد و نوش یا کپڑوں پر یا مکان پر یا شادی بیاہ پر بھی بے دریغ خرچ کر دینا یا اپنی ہمت اور مقدور سے زیادہ خرچ کر دینا۔ ایسی فضول خرچیوں سے اسلام نے سختی سے روک دیا ہے۔ پھر اسراف کی ایک قسم ایسی ہے جسے تبذیر کہتے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ ناجائز کاموں یا ناجائز ضرورتوں پر خرچ کرنا۔ جیسے شراب نوشی، قمار بازی، بیاہ شادی کے موقعہ پر آتش بازی اور راگ رنگ وغیرہ ایسے کاموں میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا حرام ہے۔ چہ جائیکہ ایسے کاموں پر بھی بے دریغ اور بے تحاشا خرچ کر دیا جائے۔

اسراف کی ضد بخل ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ مقدور ہوتے ہوئے بھی ضرورت کے کاموں میں پیسہ ضرورت سے کم خرچ کرنا اور پیسہ کو جوڑ کر رکھنا۔ جیسے اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں کی گزران کے سلسلہ میں بھی بخل کر جانا۔ خوراک میں پوشاک میں، طرز بود و باش میں، اعزہ و اقرباء کو تحفے تحائف دینے لینے میں ہر جگہ بخل سے کام لینا اور بالخصوص جب اللہ کی راہ میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا

اور اللہ کو نہیں پکارتے نہ ہی اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں[۸۵] اور جو شخص ایسے کام کرے گا ان کی سزا پا کے رہے گا۔(۶۸)

قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا[۸۶] کر دیا جائے گا اور ذلیل ہو کر اس میں ہمیشہ کے لئے پڑا رہے گا۔(۶۹) ہاں

کچھ خرچ کرنا پڑے تو اسے یوں محسوس ہو کہ پیسہ کے ساتھ اس کی اپنی جان بھی نکلی جا رہی ہے۔

۞ اقتصاد کیا ہے؟ اسراف اور بخل کے درمیان کی صفت کا نام اقتصاد یا قصد ہے اور اسی صفت کو اسلام نے پسند کیا ہے۔ اقتصاد یہ ہے کہ انسان اپنی جائز ضرورتوں پر اتنا ہی خرچ کرے جتنا ضروری ہو نہ کم نہ زیادہ۔ حتیٰ کہ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہو تو بھی یہی بات مد نظر رکھنی چاہئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ وہی بہتر ہے جس کے بعد انسان خود محتاج نہ ہو جائے۔ (بخاری۔ کتاب النفقات۔ باب وجوب النفقة على الاهل و العيال)

اور اعتدال کی روش اختیار کرنے کے بعد اگر کسی کے پاس مال بچ رہتا ہے تو اسے اپنے اقرباء اور دوسرے حاجت مندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرنا چاہئے۔

[۸۵] ۞ عرب معاشرہ میں شرک، قتلِ ناحق اور زنا کی کثرت اور ان کاموں سے اجتناب:۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تین بڑے بڑے گناہوں کا ذکر فرمایا۔ جن میں اس دور کا عرب معاشرہ بری طرح مبتلا تھا۔ ہر قبیلے کا الگ الگ بت ہوتا تھا۔ پھر ایک بڑا بت کئی قبائل کا مشترکہ بھی ہوتا تھا۔ بیت اللہ شریف کے متولیوں نے اللہ کے اس گھر کو جس کی بنیاد ہی توحید پر رکھی گئی تھی تین سو ساٹھ بتوں سے بھر دیا تھا۔ پورے عرب میں لوٹ مار اور قتل و غارت ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ پھر اگر کسی قبیلہ کا کوئی دشمن قتل ہو جاتا تو سمجھ لو کہ سالہا سال تک کے لئے ان دونوں قبائل میں جنگ ٹھن گئی۔ ایسی لڑائیوں نے گھرانوں کے گھرانے اجاڑ دیئے تھے۔ شراب نوشی اور زنا ان لوگوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ زنا کو وہ کوئی معیوب فعل نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے ادباء و شعراء میلوں میں اپنے زنا کے واقعات اور اپنی محبوبہ کا ذکر بڑے فخر سے کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ صفا اور مروہ پہاڑیوں پر دو بت رکھے گئے تھے جن کا نام اساف اور نائلہ تھا یہ دونوں دراصل ایک زانی مرد اور زانی عورت تھے جنہوں نے حرم کعبہ میں زنا کیا تھا۔ ان کے متعلق مشہور یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس جرم میں پتھر بنا دیا تھا۔ بعد کے لوگوں نے انہی پتھروں کو صفا اور مروہ پر رکھ کر ان کی پوجا شروع کر دی۔ اسی بات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ زنا ان کے ہاں گناہوں میں شمار بھی ہوتا تھا یا نہیں۔ پھر قتل ناحق کی ایک صورت ان کے ہاں رائج تھی اور وہ تھی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا۔ (جس پر پہلے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ان شدید جرائم سے بچے رہتے ہیں جن میں عرب کا معاشرہ بری طرح پھنسا ہوا ہے۔

[۸۶] یعنی جو لوگ ایسے جرائم میں مبتلا ہیں۔ ایک تو انہیں ان کی سزا مل کے رہے گی۔ دوسرے ان کے عذاب میں کبھی وقفہ نہیں آئے گا۔ اور تیسرے یہ کہ ان کے عذاب میں دم بدم اضافہ ہی کیا جاتا رہے گا۔ پھر اس جہنم سے نکلنے کی بھی کوئی صورت اس کے لئے ممکن نہ ہو گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ

جو شخص توبہ کرلے اور ایمان[۸۷] لے آئے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔(۷۰) اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو وہ گویا اللہ کی طرف یوں رجوع کرتا ہے جیسا کہ رجوع کرنے[۸۸] کا حق ہے۔(۷۱) اور جو

[۸۷] ۞ اسلام لانے کے فائدے:۔ یعنی ایسے شدید جرم کرنے والے کافروں میں سے بھی جو شخص ایمان لائے گا اللہ اس کے سابقہ گناہوں کو کلیتاً معاف فرمادے گا۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہے۔

۱۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم نے جو گناہ جاہلیت کے زمانہ میں کئے ہیں کیا ہم سے ان کا مؤاخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اسلام لایا پھر نیک عمل کرتا رہا اس سے جاہلیت کے گناہوں کا مواخذہ نہیں ہوگا" (بخاری۔ کتاب استتابة المرتدين)

۲۔ سیدنا براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ایک شخص (دوران جہاد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ وہ اپنا چہرہ لوہے کے ہتھیاروں سے چھپائے ہوئے تھا۔ کہنے لگا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں پہلے کافروں سے لڑائی کروں یا اسلام لاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پہلے اسلام لاؤ، پھر لڑائی کرو" تو وہ مسلمان ہوگیا پھر لڑنے لگا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "دیکھو اس نے عمل تو تھوڑا کیا مگر ثواب بہت زیادہ پایا" (بخاری۔ کتاب الجهاد۔ باب عمل صالح قبل القتال)

۳۔ سیدنا حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! "میں نے جاہلیت کے زمانہ میں جو اچھے کام کئے تھے مثلاً قرابت داروں سے حسن سلوک، غلام کو آزاد کرنا یا صدقہ و خیرات دینا۔ کیا مجھے ان کا اجر ملے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "کیوں نہیں۔ تم جو اسلام لائے ہو تو سابقہ نیکیوں کو برقرار رکھتے ہوئے اسلام لائے ہو" (بخاری۔ کتاب البيوع۔ باب شراء المملوك من الحربي)

۞ برائیاں نیکیوں میں کیسے بدلتی ہیں؟:۔ ان احادیث سے نتیجہ نکلا کہ اسلام لانے کے دو بڑے فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ سابقہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اسلام لانے والا گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہوجاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے سابقہ نیک اعمال کا اسے اجر بھی ملے گا جبکہ بحالت کفر مرنے پر اسے نیک اعمال کا اسے اجر نہیں مل سکتا تھا۔

ایک تو یہ صورت ہوئی دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام لانے والے کے اعمال نامہ میں فی الواقع اس کی برائیوں کی جگہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جو شخص اعمال صالحہ کا خوگر ہوجائے اس سے برائیوں کی عادت چھوٹ جاتی ہے اور سابقہ برائیاں معاف کردی جاتی ہے۔ اسی طرح جس معاشرہ میں نیکیاں رواج پاجائیں۔ برائیاں از خود مٹتی چلی جاتی ہیں۔

[۸۸] ۞ توبہ کا فائدہ اور شرائط:۔ سابقہ آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو کفر سے توبہ کرتے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ اس آیت میں ان مسلمانوں کا ذکر ہے جن سے گناہ سرزد ہوجائیں اور وہ توبہ کرتے ہیں۔ توبہ کی قبولیت کی شرائط یہ ہیں کہ وہ فی الواقع اپنے کئے پر نادم ہو۔ پھر اللہ سے استغفار کرے۔ توبہ استغفار کے بعد اپنی اصلاح کرے اور کم از کم اس سے وہ گناہ سرزد نہ ہو جس سے اس نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

جھوٹی گواہی[۸۹] نہیں دیتے اور جب کسی لغو کام پر ان کا گزر ہو تو (شریف آدمیوں کی طرح) وقار سے گزر جاتے ہیں۔(۷۲) اور جب انہیں اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر اندھے اور بہرے[۹۰] ہو کر نہیں گرتے (بلکہ ان کا گہرا اثر قبول کرتے ہیں)(۷۳)

توبہ کی تھی۔ اب وہ توبہ استغفار کے بعد جس قدر اپنی اصلاح کرتا اور اعمال صالحہ بجالاتا رہے گا اسی قدر وہ اللہ کے حضور مقرب بنتا جائے گا۔

[۸۹] ❁ شہادۃ الزُّور کا مطلب:۔ اس کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو ترجمہ سے واضح ہے البتہ یہ وضاحت باقی رہ جاتی ہے کہ زور کا معنی محض جھوٹ نہیں بلکہ ہر باطل اور لغو کام بھی زور میں شامل ہے۔ اسی طرح شہادۃ الزور سے مراد محض جھوٹی شہادت نہیں۔ جبکہ گول مول سی شہادت دینا، شہادت کا کچھ حصہ چھپا جانا اور بیان نہ کرنا یا ایسی ہیرا پھیری کرنا کہ غیر اہم بات نہایت اہم اور اہم بات نہایت معمولی معلوم ہونے لگے' یہ ایسی سب باتیں شہادۃ الزور میں داخل ہیں۔ اور ایسی شہادت کا مقصد کسی نہ کسی فریق کی ناجائز حمایت اور طرفداری ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں فریق ثانی کی از خود حق تلفی ہو جاتی ہے۔ ایسی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے بڑے بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ (بخاری۔ کتاب الشہادات۔ باب ماقیل فی شہادۃ الزور)

اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جہاں کوئی لغو اور بے ہودہ قسم کا کام ہو رہا ہو۔ اللہ کے بندے وہاں حاضر ہو کر تماشائی نہیں بنتے اور ان کی طبیعت قطعاً یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ ایسی مجالس میں شریک ہوں جیسا کہ اس آیت کے اگلے حصہ سے یہی مفہوم متبادر ہوتا ہے۔ جہاں ایسے بے ہودہ قسم کے کھیل تماشے یا مجالس منعقد ہوں گے وہاں وہ نہ رکنا گوارا کرتے ہیں نہ انہیں دیکھنا پسند کرتے ہیں بلکہ شریفانہ طور پر وہاں سے آگے گزر جاتے ہیں۔

[۹۰] ❁ وحی کو عقل کے تابع رکھنے والے حضرات کا قرآن کی اس آیت سے استدلال:۔ یعنی جب اللہ کے بندوں کو آیات الٰہی سے نصیحت اور یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو اس نصیحت سے ان کے دل پوری طرح اثر قبول کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ بعض عقل پرست حضرات اس آیت کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو جب آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ بلا سوچے سمجھے ان پر نہیں گرے پڑتے بلکہ اگر وہ آیات عقل کے مطابق ہوں تو تب انہیں قبول کرتے ہیں اور اس سے مزید نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ قرآن کا کوئی حکم ایسا نہیں جو عقل انسانی کے مطابق نہ ہو۔ اس طرح وہ وحی الٰہی کو عقل کے تابع بنا دیتے ہیں۔ یہ سلوک تو ان کا قرآن سے ہے اور جو سلوک ان کا احادیث نبویہ سے ہو سکتا ہے اس کا آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حالانکہ دین میں جتنے بھی تعبدی امور ہیں وہ سب ایسے ہیں جن تک عقل کی رسائی ممکن نہیں۔ مثلاً یہ کہ حدث یا ہوا نکلنے سے وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے اور صاف ستھرے اجزائے بدن کو از سر نو کیوں دھونا پڑتا ہے۔ یا مثلاً یہ کہ اگر ذبح کرتے وقت جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ حرام کیوں ہو جاتا ہے اور اس کے گوشت میں کیا تبدیلی واقع ہوتی ہے کہ اس کا کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔

گویا اصل مفہوم کے لحاظ سے اس آیت کا مقصد اللہ کی آیات میں غور و فکر اور اثر پذیری ہے لیکن عقل پرستوں کے نزدیک اس آیت کا مقصد اللہ کے احکام کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا ہے۔ اگر وہ پوری اترے تو اسے قبول کر لیا جائے ورنہ اس کی تاویل کر ڈالی جائے۔

[۹۱] ❁ اہل خانہ کو دیندار بنانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ دعا بھی ضروری ہے:۔ مکی دور میں مسلمانوں کی زندگی کچھ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا

اور جو دعا کرتے ہیں کہ پروردگار! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد[۹۱] کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا[۹۲] بنا۔(۷۴) یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے صبر کا بدلہ (بہشت کے) بالاخانوں[۹۳] کی صورت میں پائیں گے، وہاں دعائے حیات اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال ہوگا۔(۷۵) جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیا ہی اچھی

طرح گزر رہی تھی کہ اگر باپ مسلمان ہے تو اولاد کافر ہے اور اولاد مسلمان ہے تو والدین کافر ہیں۔ شوہر مسلمان ہے تو بیوی کافر ہے اور بیوی مسلمان ہے تو شوہر کافر ہے۔ یہ صورت حال بھی مسلمانوں کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کا باعث بنی ہوئی تھی۔ لہٰذا اللہ کے بندوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی کہ وہ یہ بھی دعا کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے ازواج اور ہماری اولاد کو بھی ایمان کی دولت نصیب فرما تاکہ ہمارے اس قلق والم کا تدارک ہو سکے۔

واضح رہے کہ جس طرح ہر عورت کے لئے اس کا خاوند زوج ہے اسی طرح ہر مرد کے لئے اس کی بیوی اس کا زوج ہے اور اولاد دونوں کی ہوتی ہے اس لحاظ سے یہ دعا ہر مسلمان مرد اور عورت سب کے لئے یکساں ہے۔

پھر یہ دعا صرف اس دور کے مسلمانوں سے ہی مخصوص نہیں ہر دور میں اس کی ضرورت برقرار ہے۔ بیوی اور اولاد ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کو فطرتاً محبت ہوتی ہے اور اس کے لئے آزمائش کا سبب بن جاتی ہے لہٰذا ہر مسلمان کو جس طرح اپنے حق میں دعائے خیر کرنا ضروری ہے ویسے ہی ان کے حق میں بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ کے نافرمان اور دین سے بیگانہ رہ کر اس کے لئے پریشانیوں کا سبب نہ بن جائیں۔ بلکہ اللہ کے فرمانبردار اور دین کے خادم بن کر اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں۔

[۹۲] ❁ امارت کی مشروط آرزو اور سیاسی لیڈروں کی تاویل:۔ یہ بھی دعا کا اگلا حصہ ہے۔ یعنی ہماری بیویوں اور اولاد کو نیک اور پرہیزگار بنا اور پھر ہمیں ان سے بڑھ کر پرہیزگار بنا کہ ہم خود ان کے امام اور پیش رو ثابت ہوں۔ پھر یہ دعا صرف ازواج و اولاد تک ہی محدود نہیں بلکہ ہمیں اتنا نیک اور پرہیزگار بنا دے کہ ہم دوسرے متقین کے لئے رہبر اور نمونہ بن جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی آرزو اور اس کے لیے دعا کرتے ہیں حتیٰ کہ اس مقصد کے لئے اور اس میدان میں امامت یا حکومت تک کے لئے آرزو کرنا یا دعا کرنا صرف جائز ہی نہیں تھا بلکہ ضروری ہے۔ جبکہ حبِ مال یا حبِ جاہ کی غرض سے طلب امارت بے شمار صحیح احادیث کی رو سے ممنوع ہے لیکن موجودہ جمہوری دور کے بعض سیاسی لیڈر اسی آیت سے طلبِ امارت کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ چاہتے یہ ہیں کہ متقی حضرات تو ان کی رعیت بنیں اور یہ سیاسی لیڈر، جیسے بھی کردار کے وہ مالک ہوں، ان کے حاکم بن جائیں۔ ایسی کج فکری خالصتاً کسی پکے دنیادار کے ذہن کا نتیجہ ہی ہو سکتی ہے۔

[۹۳] بالاخانہ سے مراد یہ نہیں کہ وہ کسی دو منزلہ عمارت کی اوپر کی منزل میں واقع ہوگا۔ بلکہ اس سے مراد بلند درجوں میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

جائے قرار[۹۴] اور قیام گاہ ہے۔(۶۶)

(اے نبی! آپ لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اسے نہیں پکارتے تو میرے پروردگار کو تمہاری کوئی پروا[۹۵] نہیں۔ تم تو (حق کو) جھٹلا چکے اب[۹۶] جلد ہی اس کی ایسی سزا پاؤ گے جس سے جان چھڑانا محال ہو گی۔(۷۷)

واقع رہائش گاہ ہے اور جنت کے اوپر نیچے سو درجے ہیں۔ یعنی اللہ کے بندوں میں مذکورہ بالا صفات جس حد تک پائی جائیں گی اسی کے مطابق ان کو بلندی درجات اور ان میں سکونت نصیب ہو گی۔ پھر ایسے اللہ کے بندوں کے استقبال کے لئے فرشتے موجود ہوں گے جو انہیں سلام بھی کہیں گے اور سلامتی کی دعائیں بھی دیں گے۔ جنت میں رہائش پذیر ہو جانے کے بعد ان کی باہمی ملاقاتوں میں یہ ہی کلمات سلام و دعا ان کی تکریم اور عزت افزائی کے لئے استعمال ہوں گے۔

[۹۴] جنت کے بہترین رہائش گاہ ہونے کا اندازہ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں ایک کوڑا رکھنے کے برابر جگہ ساری دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے" (بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب فی صفة الجنة)

[۹۵] ۞ اللہ کی بے نیازی:۔ یعنی اگر تم اللہ کو پکارو گے اس کی عبادت کرو گے اس کے حضور توبہ استغفار کرو گے اس سے اپنی حاجتیں طلب کرو گے تو اس میں تمہارا اپنا ہی بھلا ہے۔ اور اگر تم ان باتوں میں بے نیازی کا مظاہرہ کرو گے تو اللہ کی کوئی ضرورت تمہاری پکار اور دعا یا عبادت نہ کرنے کی وجہ سے اٹکی ہوئی نہیں ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے لئے درج ذیل حدیث قدسی ملاحظہ فرمائیے۔

"سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اے میرے بندو! تم نہ میرا کچھ نقصان کر سکتے ہو اور نہ مجھے کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہو۔ اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جن سب ایسے ہو جائیں جیسے تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار شخص ہے تو اس سے میری سلطنت میں کچھ افزائش نہ ہو گی۔ اور اگر تمہارے اگلے پچھلے اور آدمی اور جن سب ایسے ہو جائیں جیسے تم میں کوئی سب سے زیادہ بدکردار ہے تو بھی میری سلطنت میں کچھ کمی واقع نہ ہو گی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جن سب ایک میدان میں جمع ہو کر مجھ سے مانگنا شروع کر دیں اور میں ہر ایک کو وہی کچھ دیتا جاؤں جو کچھ اس نے مانگا ہے تو جو کچھ میرے پاس ہے اس میں سے کچھ بھی کم نہ ہو گا۔ مگر اتنا جیسے سمندر میں سوئی کو ڈبو کر نکال لیا جاتا ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لئے شمار کرتا رہتا ہوں۔ پھر تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ سو جس کو اچھا بدلہ ملا اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کی حمد و ثنا بیان کرنا چاہئے اور جسے برا بدلہ ملے تو اسے اپنے آپ ہی کو ملامت کرنا چاہئے" (مسلم۔ کتاب البر و الصلة۔ باب تحریم الظلم)

[۹۶] ۞ کیا اچھے اور برے اعمال کے نتائج لابدی ہیں:۔ اس آیت کے مخاطب قریش مکہ ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بھی جھٹلایا اور اس کی آیات کو بھی۔ اس تکذیب کا انجام ان کے گلے کا ہار بن گیا۔ ان پر اللہ کی گرفت کا آغاز غزوہ بدر سے ہوا اور اس گرفت میں دم بدم اضافہ ہی ہوتا گیا حتیٰ کہ جب مکہ فتح ہوا تو انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اور جزیرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


عرب سے کفر و شرک یا کافروں اور مشرکوں کا نام و نشان تک مٹ گیا اور ان میں سے وہی زندہ رہے جنہوں نے اسلام کی آغوش میں پناہ لے لی۔

اس آیت سے ایک گمراہ فرقہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کے لئے جزا و سزا کے جو قانون مقرر کر رکھے ہیں۔ وہ لابدی ہیں اور ان میں کسی طرح کا تخلف نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں ان کی گمراہی یہ نہیں کہ انہوں نے اس آیت سے غلط نتیجہ نکالا ہے بلکہ گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے صرف اس آیت یا اس جیسی ہی دوسری آیات کو مد نظر رکھا ہے اور وہ آیات جن میں اللہ کی مغفرت اور رحمت کا ذکر ہے ان کو پس انداز کر دیا ہے۔ اللہ کے عدل کا تقاضا صرف یہ ہے کہ کسی ظالم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہ دے اور کسی محسن کو اس کی نیکی کے برابر جزا ضرور دے۔ اس سے کم نہ دے۔ اور اللہ کا غفور اور رحیم ہونا عدل کے منافی نہیں بلکہ اس سے بلند تر صفت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محسن کو اس کی نیکی کے تناسب سے بہت زیادہ بدلہ دے دے یا کسی ظالم کو کسی مصلحت کی بنا پر معاف کر دے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



۲۲۷ آیاتھا سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ رکوعھا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾
اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ

آیت ۲۲۷ (۲۶) سورۃ الشعراء مکی ہے (۴۷) رکوع ۱۱

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

ط۔س۔م (۱) یہ وضاحت کرنے والی کتاب[۱] کی آیات ہیں (۲) (اے نبی!) اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس غم میں شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر[۲] ڈالیں گے (۳) اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی معجزہ اتار دیتے جس کے آگے ان کی گردنیں جھک جاتیں[۳]۔ (۴) ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو بھی

[۱] کتاب سے مراد یہی خاص سورہ شعراء بھی ہو سکتی ہے اور پورا قرآن بھی۔ کیونکہ قرآن کی ہر سورہ اپنی ذات میں جامع ہے، مکمل ہے اور مستقل کتاب ہے۔ جیساکہ پہلے اس کی وضاحت کی جاچکی ہے اور مبین سے مراد یہ ہے کہ یہ کتاب اپنا مدعا صاف صاف بیان کر رہی ہے اس میں کچھ ابہام نہیں جس کی کسی کو سمجھ نہ آسکے۔ اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب کی آیات ہیں۔ کسی انسان سے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایسی آیات پیش کر سکے۔

[۲] ۞ کفار کے ایمان نہ لانے پر آپ کی پریشانی کی وجوہ:۔ آپ کی یہ انتہائی آرزو تھی کہ کفار مکہ ایمان لے آئیں اور جب وہ ایمان لانے کے بجائے معاندانہ روش اختیار کرتے تو آپ کو اتنا ہی شدید صدمہ ہوتا تھا۔ اس کی وجوہ کئی تھیں۔ ایک یہ کہ آپ خلقِ خدا کے لئے نہایت ہمدردانہ اور مشفقانہ جذبات رکھتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ میری مخالفت کرکے جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔ لہذا آپ کو ان کی اس مخالفت سے شدید دکھ ہوتا تھا۔ دوسری وجہ فطری تھی۔ انسان جس کام میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر رہا ہو اگر اس کا کوئی مثبت نتیجہ نظر نہ آرہا ہو تو وہ مایوس ہو جاتا ہے اور اسے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ تیسری وجہ یہ تھی جس میں دوسرے مسلمان بھی شامل تھے کہ اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیتے تو اسلام کو خاصی تقویت پہنچ سکتی تھی۔ بصورت دیگر مسلمانوں کی ایذاؤں اور مشکلات میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر آپ کفار کے انکار پر شدید افسردہ اور غمگین رہتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے پر اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔ انہیں راہِ راست پر لانا آپ کے ذمہ نہیں اور جو کام آپ کے ذمہ ہے وہ آپ کر ہی رہے ہیں۔ آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑیئے ان سے نمٹنا میرا کام ہے۔ آپ بس اپنا کام کرتے جائیے۔

[۳] ۞ جبری ایمان اللہ کو مطلوب نہیں:۔ اگر ان کا ایمان لانا ہی مطلوب و مقصود ہوتا تو یہ کام یوں بھی ہو سکتا تھا کہ ہم کوئی ایسا معجزہ نازل کر دیتے جس کی بنا پر یہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔ مگر یہ بات ہماری مشیئت کے خلاف ہے۔ ایسا جبری ایمان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝۵ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۷ اِنَّ فِيْ

کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اس سے یہ منہ موڑ[۴] لیتے ہیں(۵) یہ لوگ تکذیب تو کر ہی چکے ہیں تو اب جلد ہی انہیں ان باتوں کی حقیقی خبریں[۵] مل جائیں گے جن کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔(۶) کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنی کثیر مقدار میں ہر طرح کی عمدہ نباتات پیدا کی ہے۔(۷) یقیناً اس میں ایک نشانی[۶]

لانے کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ ہمیں مطلوب ہے۔ مطلوب تو یہ ہے کہ انہیں راہ ہدایت سمجھا دینے کے بعد کون شخص اپنی عقل و تمیز کو کام میں لا کر اور اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان لاتا ہے۔ اور یہی چیز انسان کی پیدائش کا مقصود اصلی ہے ورنہ اللہ انسان کو بھی دوسری مخلوق کی طرح پیدا کر سکتا تھا جو اللہ کے سامنے ہر حال میں سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے۔

[۴] ان لوگوں کو راہِ راست سمجھانے کا طریقہ یہی ہے کہ ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی آیات تکوینیہ (وہ نشانیاں جو کائنات میں ہر سو بکھری ہوئی ہیں) اور آیاتِ تنزیلیہ (وحی کی صورت میں نازل ہونے والی آیات یا وہ آیات جن میں معاندین حق پر عذاب نازل ہونے کا ذکر ہے) کی طرف دلائی جائے۔ مگر یہ کچھ ایسے بدبخت واقع ہوئے ہیں کہ اللہ کی طرف سے جو بھی آیات یا معجزہ وغیرہ نازل ہوتا ہے تو بجائے اس کے یہ اس میں کچھ غور و فکر کریں اور توجہ دیں یہ الٹا اس سے منہ موڑ جاتے ہیں اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں۔

[۵] یہ لوگ تو بار بار سمجھانے کے باوجود اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور مخالفت پر اڑے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں کا علاج یہ نہیں کہ کوئی معجزہ ان پر نازل کیا جائے کہ وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں۔ بلکہ اب ان کا علاج صرف یہ باقی رہ گیا ہے کہ انہیں جوتوں سے سیدھا کیا جائے۔ اور عنقریب انہیں ایسی بھی خبریں ملتی رہیں گی جن سے ان کو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ جن باتوں کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی باتیں برحق اور درست تھیں۔ اس کی ایک شکل تو یہ تھی کہ ان کی تمام تر معاندانہ کوششوں کے باوجود اسلام کو غلبہ نصیب ہوتا چلا گیا اور یہ ہر ہر میدان میں مات کھاتے رہے اور ان کے لوا حقین ایسی خبریں سنتے اور غم کے گھونٹ پیتے رہے اور پیتے رہیں گے اور دوسری صورت کی آخری منزل ان کی موت ہے۔ دنیا میں ہی جب یہ لوگ موت کی سرحد پر آن کھڑے ہوں گے تو ان پر ساری حقیقتیں منکشف ہوتی چلی جائیں گی۔ لہٰذا آپ ان کے غم میں ہلکان ہونا چھوڑ دیجیے۔

[۶] ۞ نباتات میں اللہ کی نشانیاں:۔ اگر کسی معجزہ ہی کی بات ہے تو یہ کیا کم معجزہ ہے کہ ایک ہی زمین میں، ایک ہی جیسا آسمان سے پانی برستا ہے۔ ایک ہی سورج سے نباتات کی نشوونما ہوتی ہے۔ لیکن نباتات ساری ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہزارہا قسم کی نباتات ہوتی ہے۔ کہیں رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہیں، کہیں لہلہاتی کھیتیاں ہیں۔ ان کی خوشبوؤں سے زمین مہک اٹھتی ہے۔ پھر اس نباتات اور وہاں کے باشندوں کی ضروریات میں ایک خاص مناسبت ہے۔ نباتات کی بے شمار انواع و اقسام کے باوجود یہ بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے تحت ہی اگتی، بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہیں اور اس میں ایک خاص نظم و ضبط پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ نباتات میں غور و فکر کا اتنا وسیع میدان موجود ہے کہ یہ علم کی ایک شاخ بن چکا ہے۔ اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے قدرت کے نئے سے نئے عجائبات پیش کرتا رہتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان عجائبات کی طرف توجہ ہی نہ کرے تو اسے اللہ کی کوئی نشانی نظر بھی کیسے آسکتی ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ
مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ
يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ

ع ۱ ۵

ہے لیکن ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں (۸) بلاشبہ آپ کا پروردگار ہر چیز پر غالب[۷] ہے اور رحم کرنے والا ہے (۹) اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب تمہارے[۸] پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ: ظالم قوم کے پاس جاؤ (۱۰) یعنی فرعون[۹] کی قوم کے پاس کیا وہ ڈرتے نہیں؟ (۱۱) موسیٰ نے عرض کیا: میرے پروردگار! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ (۱۲) میرا سینہ گھٹتا (دم رکتا) ہے اور زبان (بھی) نہیں چلتی۔ لہٰذا ہارون کو (بھی) رسالت عطا فرما (۱۳) اور میرے ذمہ ان کا ایک جرم (بھی) ہے میں ڈرتا ہوں کہ مجھے مار ہی[۱۰] نہ ڈالیں۔ (۱۴)

[۷] یعنی اللہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ ایسے ضدی اور معاند لوگوں کو فوراً صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ مگر چونکہ وہ رحیم بھی ہے لہٰذا وہ انہیں فوراً تباہ نہیں کر دیتا بلکہ سمجھنے، سوچنے اور سنبھلنے کے لئے مہلت دیئے جاتا ہے۔

[۸] ۞ آپ کی اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے پس منظر کا تقابل:۔ آیاتِ تکوینیہ کی طرف توجہ دلانے کے بعد آگے آیات تنزیلیہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اس سورت میں سات اقوام کا ذکر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے اپنے رسول کی دعوت قبول کرنے کے بجائے سرکشی کی راہ اختیار کی تو ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا اور صفحۂ ہستی سے ان اقوام کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ اور ان آیات کا آغاز سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے کیا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو آغاز رسالت میں جن حالات سے سابقہ پیش آیا تھا وہ ان حالات سے سنگین تر تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے تھے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خاندان کے فرد تھے جو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے عرب بھر میں معزز و محترم شمار ہوتا تھا جبکہ موسیٰ علیہ السلام اس قوم کے فرد تھے جو فرعون کی غلام تھی۔ دوسرے یہ کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف مبعوث کیا گیا۔ جس کے ہاں آپ نے پرورش پائی تھی۔ پھر آپ نے نادانستہ طور پر آلِ فرعون کے ایک آدمی کو بھی مار ڈالا تھا اور فرعونی حکومت کی طرف سے اس قتل کی سزا کے ڈر سے آپ وہاں سے ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے گویا آپ فرعون کے ممنون احسان بھی تھے پھر اس کے مفرور مجرم بھی تھے۔ تیسرے یہ کہ فرعون ایک عظیم الشان سلطنت کا فرمانروا، ظالم و جابر اور اپنی خدائی کا دعویٰ رکھنے والا حکمران تھا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ یا تو آپ کے ہمسر تھے یا معاشرتی لحاظ سے کم تر درجہ رکھتے تھے۔ گویا موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے آغاز میں دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی جا رہی ہے کہ بعض سابقہ انبیاء کو آپ سے بھی زیادہ سنگین حالات میں دعوتِ دین کا فریضہ سرانجام دینا پڑا تھا۔ لہٰذا آپ کو ان کفار مکہ کی معاندانہ روش سے اتنا زیادہ افسردہ اور غمگین نہیں رہنا چاہیے۔

[۹] بنی اسرائیل پر فرعون اور اس کی حکومت نے جو مظالم ڈھا رکھے تھے ان کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا تعارف ہی ظالم قوم سے کرایا اور جب وہ ایسے مظالم ڈھاتے تھے تو انہیں کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ ان کے اوپر بھی کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو ان سے ان کے مظالم کا بدلہ لینے کی قدرت رکھتی ہے۔ وہ اپنی طاقت اور حکومت کے نشہ میں اللہ کی گرفت سے بالکل بے خوف ہو چکے تھے۔

[۱۰] اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے واپسی پر نبوت عطا فرمائی تو ساتھ ہی حکم دیا کہ تمہیں فرعون اور قوم فرعون

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿١٧﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو گا تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، ہم بھی تمہارے ساتھ [۱۱] ہیں، سب کچھ سن رہے ہیں (۱۵) فرعون کے پاس جاکر اسے کہو کہ: "ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔(۱۶) (اور اس لئے آئے ہیں کہ) تو بنی اسرائیل کو (آزاد کر کے) ہمارے ساتھ روانہ [۱۲] کر دے" (۱۷) فرعون کہنے لگا: "کیا ہم نے تمہیں اپنے ہاں بچپن میں پالا نہ تھا؟ اور تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں نہیں گزارے؟ (۱۸)

کے پاس جو اپنے ظلم کی وجہ سے مشہور ہو چکی ہے جاکر دعوت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو سابقہ زندگی کے کئی واقعات آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اور کئی قسم کے خطرات سامنے آنے لگے۔ جن میں سرِ فہرست یہ تھا کہ وہ میری دعوت الی الحق کو کیا اہمیت دے گا جبکہ میں اس قوم کا ایک فرد ہوں جسے اس نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اور خوب دبا کر رکھتا ہے۔ پھر میں اس کا پروردہ بھی ہوں۔ علاوہ ازیں میں ان کا مجرم بھی ہوں۔ ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر جب اسے اللہ کا پیغام سنانے کا تصور کیا تو سینہ میں گھٹن سی محسوس ہوئی۔ چنانچہ اللہ کے حضور یہ خطرات بیان بھی کر دیئے۔ مگر انکار کی مجال نہ تھی۔ اور یہی اولوالعزم انبیاء کی شان ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے ایسے فرمانبردار بندے ہوتے ہیں کہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بھی اللہ کا پیغام پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے۔ البتہ اتنی گزارش ضرور کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت عطا فرما کر میرے ہمراہ کر دیجئے۔ جو اس کام میں میرا معاون و مددگار ہو اور ہم کم از کم ایک کے بجائے دو تو ہو جائیں جو ایک دوسرے کے غمگسار اور ہمدرد ہوں۔ علاوہ ازیں میری زبان بھی روانی سے نہیں چلتی جبکہ میرا بھائی ہارون فصیح اللسان ہے۔

[۱۱] سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اللہ سے گزارشات اور ان کی قبولیت:۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس التجا اور ان خطرات کے جواب میں فرمایا: کہ (۱) تمہاری التجا منظور ہے، میں ہارون کو نبوت عطا کر دیتا ہوں اور وہ تمہارے ساتھ رہے گا اور اس کام میں تمہارا مددگار ہو گا، (۲) تمہیں جو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ مجھے مار ہی نہ ڈالیں تو اس بات کو دل سے نکال دو۔ وہ لوگ تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔ اور اس کی دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ تمہیں دو ایسے معجزات دے کر بھیجا جا رہا ہے جو اس بات کا یقینی ثبوت پیش کرتے ہیں کہ تم فی الواقع اللہ کے رسول ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تم دونوں کے ساتھ تیسرا میں بھی ہوں۔ میں تمہاری سب باتیں سنتا ہوں اور تمہاری پوری پوری نگہداشت بھی کروں گا۔

اللہ کی معیت کی مثال اور معتزلہ اور جہمیہ کا رد:۔ اس آیت اور اس جیسی بعض دوسری آیات سے جہمیہ نے استدلال کیا کہ اللہ کی ذات ہر جگہ موجود ہے اور جن آیات میں اللہ کے مستوی علی العرش ہونے کا ذکر تھا ان آیات کی تاویل کر ڈالی۔ حالانکہ جن آیات میں اللہ کی معیت یا اس کے قریب ہونے کا ذکر ہے تو ایسی معیت یا قربت ذات کے لحاظ سے نہیں بلکہ صفات کے لحاظ سے ہے۔ اس کی ایک معمولی سی مثال یوں سمجھئے کہ سورج اور چاند اللہ کی بے جان اور ادنیٰ سی مخلوق ہے۔ جو مسافر کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ چلنے والا جہاں تک چلے وہ ساتھ ساتھ ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ آسمان پر ہیں اور انسان لاکھوں اور کروڑوں میل دور ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ مستوی علی العرش ہونے کے باوجود اپنے علم، اپنی قدرت اور مدد کے لحاظ سے ہر انسان سے بالکل نزدیک ہے اور اس کی صحیح کیفیت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

[۱۲] اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ منظور کر لینے کے بعد اور فرعون کی دست درازیوں سے حفاظت کی یقین دہانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾
فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا

نیز تو نے وہ کام کیا جو کر کے چلا گیا اور تو تو ہے ہی ناشکرا[۱۳] (۱۹) موسیٰ نے کہا: ''وہ کام تو اس وقت مجھ سے بھول چوک سے ہو گیا تھا (۲۰) لہٰذا میں تمہارے خوف[۱۴] سے بھاگ گیا۔ پھر مجھے میرے پروردگار نے حکمت عطا فرمائی اور مجھے رسول بنایا۔ (۲۱) اور جو احسان تو مجھے جتلا رہا ہے (اس کی وجہ تو یہی تھی) کہ

کے بعد ان دونوں کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جائیں اور اسے بتائیں کہ ہم رب العالمین کے رسول یا فرستادہ ہیں اگر وہ جھٹلائے تو پھر دو معجزات نشانی کے طور پر اسے دکھائیں اور ساتھ ہی اس سے یہ مطالبہ کر دیں کہ ہماری قوم بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے ہمارے ہمراہ روانہ کر دے۔ چنانچہ ان دونوں پیغمبروں نے اللہ کے اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ فرعون کے دربار تک پہنچے اور اسے جوں کا توں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔

[۱۳] ❁ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ:۔ فرعون نے اللہ کا پیغام سننے کے بعد اس پیغام کا کچھ جواب دینے کے بجائے وہی کچھ کہنا شروع کر دیا جس کا موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے خطرہ تھا۔ اس نے کہا کہ بچپن میں تمہاری پرورش ہم نے ہی کی تھی۔ تمہاری جوانی ہمارے درمیان گزری ہے۔ ہم تو تمہاری رگ رگ سے واقف ہیں۔ پھر تم ہمارے مجرم بھی ہو۔ اب تم نے یہ پیغمبری کا ڈھونگ رچا ڈالا ہے اور ہم پر دباؤ ڈالنے آ گئے ہو۔ تمہیں تو ہمارا ممنون احسان ہونا چاہئے تھا تم اٹھ کر رسالت کا دعویٰ کر کے اب ہمیں آنکھیں دکھانے لگے ہو تم جیسا بھی کوئی احسان فراموش شخص ہو سکتا ہے؟

﴿ انت من الکافرین ﴾ کا ترجمہ بعضوں نے یوں کیا ہے کہ آج جن لوگوں کو تم کافر کہہ رہے ہو اس پیغمبری کے دعویٰ سے پہلے تو تم خود بھی انہیں جیسے کافر تھے۔ (نعوذ باللہ) فرعون کی اس گفتگو سے ضمناً یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ یہ فرعون وہ فرعون نہیں تھا جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کی تھی۔ بلکہ یہ اس کا بیٹا تھا ورنہ وہ ہم نے پرورش کرنے کی بجائے ''میں نے پرورش کی تھی'' کہتا۔ اور یہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

[۱۴] ❁ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قتل خطأً کا اعتراف:۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دونوں باتوں میں سے دوسری کو زیادہ اہم سمجھ کر اس کا جواب دیا اور کہا کہ میں قبطی کے قتل کا مجرم ضرور ہوں۔ لیکن میں نے یہ قتل عمداً نہیں کیا تھا۔ بلکہ نادانستہ طور پر قتل خطا واقع ہو گیا تھا۔ میرا قتل کا ارادہ ہرگز نہ تھا۔ نہ میں نے کوئی ایسا آلہ استعمال کیا تھا جو قتل کے لئے استعمال ہو سکتا ہے میری خطا صرف اتنی ہے کہ میری سبطی قوم کے ایک آدمی پر تیری قبطی قوم کا ایک آدمی زیادتی کر رہا تھا اس نے میرے سامنے فریاد کی میں نے جب دیکھا کہ زیادتی قبطی کی ہے اور سبطی مظلوم ہے تو میں نے اس مظلوم کی حمایت کرتے ہوئے قبطی کو مکہ مارا۔ اب یہ اتفاق کی بات ہے کہ وہ مر گیا۔ میں نے کسی برے ارادے سے ہرگز یہ کام نہیں کیا تھا۔ ہاں جب معلوم ہو گیا کہ مجھے سزا دینے کی تجویزیں ہو رہی ہیں تو میں نے راہِ فرار میں ہی اپنی عافیت سمجھی تھی۔ گویا اس واقعہ میں جتنا موسیٰ علیہ السلام کا قصور تھا اس کا انہوں نے فرعون کے سامنے برملا اعتراف کر لیا۔

رہی یہ بات کہ اب میں پیغمبری کا دعویٰ کر رہا ہوں۔ جب کہ پہلے کبھی میں نے ایسی بات نہیں کہی تھی تو اس کا جواب یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَآ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُۥٓ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ ءَابَآئِكُمُ

تو نے بنی اسرائیل کو غلام[۱۵] بنا رکھا تھا۔(۲۲) فرعون کہنے لگا: "یہ رب العالمین[۱۶] کیا ہوتا ہے؟(۲۳) موسیٰ نے کہا: "وہ جو آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک[۱۷] ہے، اگر تمہیں کچھ یقین آجائے"(۲۴) فرعون نے اپنے آس پاس والوں سے کہا: "کچھ سن[۱۸] رہے ہو؟ (جو یہ کہتا ہے)(۲۵) موسیٰ نے کہا: "ہاں وہی تمہارا اور

ہے۔ کہ جب میں یہاں سے بھاگ کر گیا تھا تو اس کے مدتوں بعد مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی عطا فرمائی اور حکمت بھی۔ اور ساتھ ہی مجھے تمہارے پاس پہنچ کر اپنا پیغام تجھے پہنچانے کا حکم دیا ہے۔

[۱۵] اور تمہاری پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ میری تمہارے ہاں پرورش پانے کا سبب تو یہی چیز بنی تھی کہ تم لوگ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو زندہ نہیں رہنے دیتے تھے۔ اور انہیں ذبح کر ڈالتے تھے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میری ماں کیوں مجھے تابوت میں بند کر کے سمندر میں ڈالتی۔ پھر وہی تابوت اللہ کی قدرت سے تمہارے پاس پہنچ گیا۔ اگر تم نے بنی اسرائیل پر ایسے مظالم نہ ڈھائے ہوتے تو کیا میرے والدین میری پرورش نہ کر سکتے تھے؟ میری پرورش کے احسان کی آڑ میں اپنے سال ہا سال کے مظالم کو چھپانا چاہتے ہو؟ بنی اسرائیل کو انہیں مظالم اور تمہاری غلامی سے نجات دلانے کے لئے تو اللہ رب العالمین نے مجھے پیغمبر بنا کر تمہارے ہاں بھیجا ہے۔

[۱۶] فرعون نے پوری مملکت کے وسائل معاش اپنے قبضہ میں کر رکھے تھے۔ اسی لحاظ سے وہ اپنے آپ کو اپنی رعیت کا پروردگار یا رب سمجھے بیٹھا تھا اور اپنے اعلیٰ رب ہونے کا دعویٰ بھی کرتا تھا۔ اس نے ملک بھر میں اپنے مجسمے نصب کروا رکھے تھے۔ جن کی پوجا کی جاتی تھی اس نے اپنی رعیت کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی تھی کہ ان کا پرورش کنندہ میں ہی ہوں۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے یوں فرمایا کہ ہم "رب العالمین" کے رسول ہیں تو وہ فوراً چونک اٹھا اور ازراہ حقارت کہنے لگا کہ یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے۔ اپنی رعیت کا رب تو میں خود ہوں۔ یہ کون سے رب العالمین کی بات کرتے ہو؟

[۱۷] موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ رب العالمین وہ ہے جو اس پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اگر تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ اس کائنات کو وجود میں لانے والی کوئی ہستی موجود ہے تو سمجھ لو کہ میں اس ہستی کی طرف سے تیرے پاس رسول بن کر آیا ہوں اور تمہیں اسی کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔

[۱۸] فرعون اب اپنے درباریوں اور امیروں، وزیروں سے متوجہ ہو کر کہنے لگا: سن رہے ہو جو یہ شخص کہہ رہا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ تمام بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے رہا کر کے میرے ہمراہ کر دو۔ تاکہ یہ ہمارے مقابلہ پر اتر آئے۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی کہے جاتا ہے کہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں"

فرعون کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی خدائی اور فرعونیت کے باوجود موسیٰ علیہ السلام سے کچھ خطرہ محسوس کرنے لگا تھا اور اپنے درباریوں کو ان کے خلاف بھڑکانا چاہتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾

تمہارے آباء واجداد[۱۹] کا پروردگار ہے" (۲۶) فرعون کہنے لگا: "یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو دیوانہ[۲۰] ہے؟ (۲۷) موسیٰ نے کہا: "وہی مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار[۲۱] ہے۔ اگر تمہیں کچھ سمجھ آسکے۔ (۲۸)

فرعون بولا: "دیکھو! اگر تم نے میرے سوا کوئی اور الٰہ مانا تو میں تجھے قید[۲۲] میں ڈال دوں گا (۲۹)

[۱۹] درباریوں کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں پھر فرعون کو مخاطب ہو کر کہا: تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ ملک بھر کے وسائل معاش کو اپنے قبضہ میں کر لینے کے بعد تم ہی اپنی رعایا کے پروردگار بن گئے ہو۔ میں اس پروردگار کی بات کر رہا ہوں جس کا تمام تر وسائل پر براہِ راست کنٹرول ہے۔ اگر وہ ایک سال یا چند سال بارش ہی نہ برسائے تو تم رعیت تو درکنار اپنی خوراک تک کے لئے ترس جاؤ گے۔ رب العالمین وہ ہے جو خود تمہیں اور تمہارے سب آباء واجداد کو رزق دیتا رہا ہے اور وہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ میں اس رب العالمین کا رسول ہوں۔

[۲۰] فرعون پھر موسیٰ علیہ السلام کے بجائے درباریوں کی طرف ہی متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ اس شخص کی حقیقت دیکھو اور اس کا مطالبہ دیکھو۔ اگر یہ رسول ہے بھی تب بھی اس کے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہو رہا کہ وہ کس ہستی سے مخاطب ہے اور کیا مطالبہ کر رہا ہے؟

[۲۱] موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جب یوں بوکھلایا ہوا دیکھا تو پھر سے اپنے دعویٰ پر زور دیتے ہوئے اور رب العالمین کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ روئے زمین پر جتنی بھی مخلوق آباد ہے۔ خواہ اس کا تعلق اس ملک مصر سے ہو یا مشرق سے ہو یا مغرب سے ہو یا کہیں سے بھی ہو ساری مخلوق کا پروردگار وہی رب العالمین ہے اب امید ہے تم لوگوں کو سمجھ آ ہی گئی ہو گی کہ رب العالمین کون ہے؟ اور میں کون ہوں؟ تم تو صرف زمین کے ایک چپہ بھر ملک کے فرمانروا ہو اور میں اس رب العالمین کا رسول ہوں جس کی فرمانروائی اس پوری زمین پر ہی نہیں پوری کائنات پر ہے۔ لہٰذا تمہارے حق میں بہتری اسی بات میں ہے کہ تم فرمانروائے کائنات کے رسول کی بات مان لو۔

[۲۲] ۞ فرعون کے خدائی کے دعویٰ کی نوعیت کیا تھی؟ دنیا میں جتنے بھی مشرکین یا خدائی کے دعوے دار گزرے ہیں وہ سب یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فرعون کا بھی یہی حال تھا وہ خدائی کا دعویدار صرف ان معنوں میں تھا کہ وہ اپنے سیاسی اقتدار میں کسی بالاتر ہستی کی مداخلت کا قائل نہ تھا۔ بالفاظِ دیگر وہ اللہ تعالیٰ کے اس پوری کائنات کے خالق و مالک ہونے کا تو قائل تھا مگر اس کی قانونی یا سیاسی حاکمیت کا قائل نہ تھا۔ اور اپنی مملکت میں اپنے قانون کو ہی بالاتر قانون سمجھتا تھا۔ اور اپنی رعیت کو بھی اسی راستے پر لگائے ہوئے تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اس سے جو مطالبہ کیا تھا وہ براہِ راست اس کے قانونی اور سیاسی اختیارات پر حملہ تھا۔ لہٰذا اس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو حکومت کے باغی قرار دیتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ
ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

موسیٰ نے کہا: "خواہ میں تیرے پاس[۲۳] واضح چیز (نشانی) بھی لاؤں؟"(۳۰) فرعون کہنے لگا: "لاؤ وہ چیز[۲۴]! اگر تم سچے ہو"(۳۱) چنانچہ موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ فوراً ہو بہو ایک اژدھا[۲۵] بن گیا۔(۳۲) نیز موسیٰ نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا تو وہ یکدم دیکھنے والوں کے سامنے چمک[۲۶] رہا تھا(۳۳) فرعون نے اپنے آس پاس والوں سے کہا: "یہ تو یقیناً بڑا ماہر جادوگر ہے۔(۳۴)

ہوئے یہ دھمکی دی کہ اگر تم اپنے مطالبہ سے باز نہ آئے تو میں تمہیں ملکی قانون بغاوت کے جرم میں قید میں ڈال دوں گا۔

[۲۳] اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "اگر میں اللہ کی عطا کردہ نشانیاں تمہیں دکھا کر یہ ثابت کر دوں کہ میں فی الواقع اللہ رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں تو کیا پھر بھی تمہارا یہی فیصلہ ہوگا؟

[۲۴] فرعون کی پہلی بحث تو اس امر میں تھی کہ رب تو میں خود ہوں یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے بار بار کے تکرار سے اسے یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ رب العالمین ہی وہ بالاتر ہستی ہے جو پوری کائنات کی خالق، مالک اور پرورش کنندہ ہے۔ حتیٰ کہ خود تمہارا بھی وہی پروردگار ہے۔ لہٰذا اسے ہی یہ حق سزاوار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ہر حکم کو بجالایا جائے۔ اب بحث اس بات میں رہ گئی تھی کہ آیا موسیٰ علیہ السلام اس بالاتر ہستی کے رسول ہیں بھی یا نہیں؟ اس بحث کا آغاز بھی خود موسیٰ علیہ السلام نے کیا اور کہا کہ اس ہستی نے مجھے اپنے دعویٰ رسالت کی تائید میں کچھ نشانیاں بھی دی ہیں اور میں وہ نشانیاں پیش کر سکتا ہوں۔ جس کے جواب میں فرعون نے کہا ہاں اگر تم اپنے دعویٰ کی صداقت میں کوئی نشانی پیش کر سکتے ہو تو کرو۔

[۲۵] ۞ معجزات سے فرعون اور درباریوں کی اثر پذیری:۔ فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام سے اپنی رسالت کے ثبوت میں نشانی کا مطالبہ کیا تو آپ نے دربار میں ہی اپنا عصا زمین پر پھینک دیا وہ دیکھتے دیکھتے بہت بڑا سانپ یا اژدہا بن کر فرعون کی طرف بڑھا۔ جس سے فرعون سخت دہشت زدہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اسے سنبھالو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اسے ہاتھ میں لینا ہی تھا کہ وہ پھر سے عصا بن گیا۔ عصا سے بننے والے سانپ کے لئے قرآن کریم میں تین لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ایک مقام پر اسے حیّۃ فرمایا اور حیّۃ کا لفظ سانپ کے لئے اسم جنس ہے جو ہر قسم کے سانپ کے لئے نیز نر و مادہ کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ دوسرے مقام پر جانّ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی پتلا، سبک رفتار اور پھرتیلا سانپ ہے اور یہاں ثعبان کا لفظ آیا ہے۔ یہ لفظ بڑے سانپ یا اژدہا کے لئے آتا ہے۔ اب ان کی تطبیق یا تو اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا تو وہ پہلے پتلا اور پھرتیلا سا سانپ بنا ہو۔ بعد میں دیکھتے ہی دیکھتے اژدہا بن گیا ہو اور یا اس طرح کہ عصا نے شکل تو اژدہا کی اختیار کر لی ہو مگر اس میں پھرتی پتلے سانپ جیسی ہو۔

[۲۶] یہ پہلا معجزہ ہی فرعون کی یقین دہانی کے لئے کافی تھا۔ ابھی فرعونیوں پر اس معجزہ کے اثرات باقی تھے کہ سیدنا موسیٰ علیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ

وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال[۲۷] دے۔ اب تم کیا مشورہ[۲۸] دیتے ہو" (۳۵) وہ کہنے لگے: اس کے اور اس کے بھائی کے معاملہ کو التوا میں ڈال دیجئے اور شہروں[۲۹] میں ایسے

السلام نے دوسری نشانی کا آغاز کیا اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں بغل میں دبایا۔ پھر جب اسے نکالا تو اس سے روشنی کی شعاعیں نکل کر فرعون اور اس کے درباریوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگیں۔ فرعون اور سب درباری محوِ حیرت بنے ہوئے ان نشانیوں کا اثر قبول کر رہے تھے۔

[۲۷] ❁ فرعون کی عیاری:۔ فرعون اگرچہ خود بھی ان نشانیوں سے متاثر ہو چکا تھا تاہم اس نے درباریوں کے ذہن سے یہ اثر زائل کرنے کے لئے یوں کہہ دیا کہ یہ تو بہت بڑا جادوگر معلوم ہوتا ہے۔ اور چاہتا یہ ہے کہ تمہیں اس طرح مرعوب اور دہشت زدہ کر کے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے اور خود اس ملک پر قبضہ جما لے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ فرعون کی ان دونوں باتوں میں کھلا تضاد ہے پہلی بات تو اس نے درباریوں اور عام لوگوں کو الو بنانے کے لئے کہی تھی کیونکہ جادوگر تو ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور ملک مصر میں بڑی تعداد میں موجود تھے۔ مگر کسی جادوگر میں یہ ہمت نہیں ہوئی کہ وہ جادو کے زور سے کوئی ملک تو بڑی چیز ہے کوئی چھوٹی سی بستی ہی فتح کر کے دکھا دے۔ وہ خود ایک مانگت اور سوالی قسم کا انسان ہوتا ہے۔ جو شعبدے دکھانے کے بعد لوگوں سے اس محنت کی اجرت کا مطالبہ کرتا ہے۔ بھلا کسی جادوگر کی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ وہ فرعون جیسے جابر حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے بات چیت کرے۔ اور دوسری بات فی الواقع حقیقت کے قریب تھی۔ جو فرعون کے منہ سے بے ساختہ نکل گئی تھی۔ اسے فی الواقع یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ شخص واقعی اللہ رب العالمین کا رسول ہے۔ اور اگر میں نے اس کی دعوت کو جھٹلا دیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ موسیٰ غالب آئے گا اور میں مغلوب ہو جاؤں گا مگر یہ بات وہ اپنے درباریوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

[۲۸] ﴿تامرون﴾ کا ترجمہ یہاں عموماً "کیا حکم دیتے ہو یا کیا حکم کرتے ہو؟" کیا جاتا ہے جو میرے خیال میں درست نہیں۔ بھلا فرعون جیسا خود سر اور اپنے آپ کو رب کہلانے والا فرمانروا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے درباریوں سے ایسا کہہ سکتا تھا امر کا لفظ مشورہ دینے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ امرتہ عن امری کا معنی ہوگا۔ میں نے اپنے کام کے متعلق اس سے مشورہ کیا (منتہی الارب نیز مفردات امام راغب) چنانچہ اسی بدحواسی کے عالم میں فرعون نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ اس صورت حال میں اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

[۲۹] ❁ ماہر جادوگروں کی طلبی:۔ درباری حضرات عموماً جی حضور کہنے اور بڑی سرکار کی ہاں میں ہاں ملانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور اسی میں ان کی عافیت ہوتی ہے۔ فوراً کہنے لگے۔ واقعی یہ بہت بڑا جادوگر ہے اور ہمیں جادو کا مقابلہ جادو ہی سے کرنا چاہئے۔ آپ یوں کیجئے کہ جلدی میں کچھ فیصلہ نہ کیجئے۔ بلکہ ملک بھر کے چوٹی کے جادوگروں کو اپنے ہاں بلا لیجئے۔ جو اس کا مقابلہ کر سکیں۔ فرعون اپنے درباریوں سے ایسا ہی جواب سننا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ خود اپنے درباریوں اور اپنی رعایا کو اسی چکر میں ڈالنا اور یہی کچھ ذہن نشین کرانا چاہتا تھا کہ موسیٰ اور اس کا بھائی اللہ کے رسول نہیں بلکہ محض جادوگر ہیں۔ چنانچہ فرعون نے اپنے درباریوں سے مشورہ کے بعد تمام شہروں کے نامور جادوگروں کو اپنے ہاں طلب کر لیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ
هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ
قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

آدمی بھیج دیجئے۔(۳۶) جو ہر سیانے جادوگر کو اکٹھا کر کے آپ کے پاس لے آئیں۔(۳۷) چنانچہ ایک معین دن کے ایک مقررہ وقت پر تمام جادوگروں کو اکٹھا کیا گیا۔(۳۸) اور لوگوں سے پوچھا گیا: "کیا تم بھی اس اجتماع[۳۰] میں شامل ہو گے؟(۳۹) اگر یہ جادوگر غالب رہے تو شاید ہمیں انہیں کی بات[۳۱] ماننی پڑے"(۴۰) پھر جب جادوگر (میدان میں) آگئے تو فرعون سے پوچھنے لگے کہ: "اگر ہم غالب رہے تو ہمیں کچھ صلہ بھی ملے گا؟"(۴۱) فرعون نے جواب دیا: ہاں (صلہ بھی ملے گا) اور تمہیں (ہمارے ہاں) کرسیاں بھی ملیں[۳۲] گی۔(۴۲)

[۳۰] ۞ مقابلہ کے لئے جگہ اور وقت کی تعیین:۔ جادوگری کے اس مقابلہ کے لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام فوراً تیار ہو گئے۔ وقت کا تعین ابھی باقی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی یہ تجویز کی کہ یہ مقابلہ بھرے مجمع میں ہونا چاہئے۔ اور اس کے لئے ان کے قومی میلہ یا جشن نوروز کا دن سب سے مناسب تھا۔ جبکہ اردگرد کے لوگ بھی اس قومی میلہ میں شرکت کے لئے دارالخلافہ جیسے بڑے شہر میں از خود پہنچ جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس مقابلہ کے لئے چاشت کا وقت تجویز ہوا تاکہ اس وقت تک اردگرد کے سب لوگ بھی دارالخلافہ میں پہنچ سکیں۔ اور وقت بھی ایسا مناسب تجویز ہوا جس میں سورج کی روشنی پوری طرح کھل جاتی ہے اور دھوپ میں ابھی گرمی کی شدت بھی نہیں ہوتی۔ جب مقابلہ کے وقت کی تعیین ہو گئی تو فرعون نے اپنے درباریوں سے اس انداز میں سوال کیا جیسے اس کی خوشی اسی بات میں تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس اجتماع میں شریک ہوں۔

[۳۱] فرعون کا غالب فریق کا ساتھ دینے کا اعلان:۔ فرعون نے لوگوں کو اس اجتماع میں شمولیت کی عام دعوت اس امید پر دی تھی کہ چوٹی کے جادوگروں کی اتنی بڑی تعداد جمع ہو گی پھر اعیانِ سلطنت بھی وہاں موجود ہوں گے تو ان کے دبدبہ اور رعب سے بھی موسیٰ مرعوب ہو کر رہ جائے گا۔ اپنی اس توقع کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ کہنے لگا کہ امید قوی یہی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے۔ اس صورت میں ہمیں اپنے جادوگروں ہی کا ساتھ دینا ہو گا تاکہ موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت پوری طرح سب لوگوں پر کھل کر واضح ہو جائے۔ گویا وہ لوگوں کو تاثر یہ دینا چاہتا تھا کہ جب مقابلہ میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا تو اس کا ایک نتیجہ یہ بھی سامنے آجائے گا کہ ہمارا ہی دین درست ہے اور اس سے منحرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور اس فیصلہ میں ہماری خود غرضی کو کچھ دخل نہ ہو گا۔ بلکہ انصاف کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جو غالب ہو اس کا ساتھ دیا جائے۔

اور بعضوں نے کہا ﴿السحرۃ﴾ سے مراد سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام لیے ہیں۔ یعنی فرعون نے بھرے دربار میں اعلان یہ کیا ہے کہ ممکن ہے کہ اس مقابلہ میں سیدنا موسیٰ اور ان کا بھائی کامیاب ہو جائیں۔ اس صورت میں ہم ان کی راہ پر چلیں گے۔ اس صورت میں بھی فرعون کی مراد یہی تھی کہ مقابلہ کے بعد ہم انصاف کی راہ اختیار کریں گے جس میں ہماری خود غرضی کو کچھ دخل نہ ہو گا۔ جو فریق بھی غالب آیا ہمیں اس کا ساتھ دینا ہو گا۔

[۳۲] ۞ نبی اور جادوگر کے کردار کا تقابل:۔ مقررہ وقت سے پہلے جب تمام جادوگر اطراف واکناف سے دارالخلافہ پہنچ گئے تو انہوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ
اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

موسیٰ نے جادوگروں سے کہا: "پھینکو جو تم پھینکنا[۳۳] چاہتے ہو۔(۴۳) چنانچہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور کہنے لگے: "فرعون کی جے! یقیناً ہم ہی غالب[۳۴] رہیں گے"(۴۴) پھر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو جو کچھ جادوگروں نے شعبدے بنائے تھے، اس نے انہیں فوراً نگلنا شروع[۳۵] کر دیا۔(۴۵) یہ دیکھ کر جادوگر بے اختیار سجدہ[۳۶] میں گر پڑے(۴۶)

نے مل کر فرعون سے سوال کیا کہ اگر ہم کامیاب ہوگئے تو ہمیں کچھ معاوضہ یا انعام واکرام بھی ملے گا؟" جادوگروں کے اس سوال سے ان کی ذہنیت سامنے آجاتی ہے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں۔ پیٹ کے دھندے کے طور پر کرتے ہیں۔ اس سے بلند ان کا کوئی مطمح نظر ہوتا ہی نہیں۔ جبکہ نبی لوگوں کے معاوضہ سے مطلقاً بے نیاز ہوتا ہے وہ بے لوث ہو کر محض اللہ کی رضامندی کی خاطر اپنا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

فرعون کی اس وقت جان پر بنی ہوئی تھی۔ جادوگروں کے اس سوال پر فوراً کہنے لگا۔ محض انعام وکرام کی کیا بات کرتے ہو اگر تم کامیاب ہوگئے میں انعام واکرام کے بدلہ تمہیں بلند مناصب بھی دوں گا اور تم میرے مقربین میں سے ہو گے۔

[۳۳] فرعون کے اس جواب پر جادوگر بہت خوش ہوگئے۔ میدان مقابلہ میں آئے تو موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے عام دستور کے مطابق پوچھا: پہلے آپ اپنا شعبدہ دکھائیں گے، یا ہم پہل کریں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فوراً جواب دیا: نہیں پہلے تم ہی اپنا شعبدہ دکھاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ جواب محض رسماً یا رواجاً یا ان کی عزت افزائی کے طور پر نہیں دیا بلکہ آپ چاہتے ہی یہ تھے کہ کہ باطل پوری طرح پہلے اپنا مظاہرہ کرلے۔ اس کے بعد ہی حق کی فتح پوری طرح واضح ہو سکے گی۔

[۳۴] جادوگروں کو فرعون کے اہل کاروں کی طرف سے صرف یہ بتایا گیا کہ دار الخلافہ میں بادشاہ سلامت کے ہاں دو جادوگر آئے ہیں۔ ان میں سے ایک اپنی لاٹھی پھینکتا ہے تو وہ سانپ بن جاتا ہے اور یہی ان کے پاس سب سے بڑا شعبدہ ہے اور تم لوگوں کو بادشاہ سلامت نے ان کے مقابلہ کے لئے بلایا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے اسی خاص پہلو میں اپنی تیاریاں کی تھیں۔ انہوں نے کچھ اپنی لاٹھیاں پھینکیں اور کچھ رسیاں پھینکیں جو لوگوں کو جیتے جاگتے متحرک سانپ نظر آنے لگے۔ اور ان کی تعداد اتنی زیادہ تھا کہ سارا میدان مقابلہ ایسے سانپوں سے بھر گیا تھا سارا مجمع اس منظر سے دہشت زدہ ہونے لگا۔ حتیٰ کہ سیدنا موسیٰ بھی دل ہی دل میں ڈرنے لگے۔ یہ منظر جادوگروں کے لئے بڑا خوش کن تھا۔ اور انہیں یقین تھا کہ ان کے اس کرشمہ کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسی خوشی میں انہوں نے زور سے نعرہ مارہ "فرعون کی جے، یقیناً ہم ہی جیتیں گے"۔

[۳۵] ۞ عصائے موسیٰ کا جادوگروں کے سانپوں کو ہڑپ کرنا:۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فوراً وحی کی کہ ڈرو نہیں بس اپنا عصا ڈال دو۔ چنانچہ آپ نے عصا ڈالا تو وہ صرف حرکت ہی نہیں کر رہا تھا بلکہ جادوگروں کے بنائے ہوئے تمام سانپوں کو اپنا لقمہ بھی بنائے جا رہا تھا حتیٰ کہ اس نے ایسے تمام بناوٹی سانپوں کو اپنا لقمہ بنایا کہ میدان سانپوں سے صاف ہو گیا۔ بھرے مجمع میں اس مقابلہ میں فرعون کو شکست ہوئی پھر موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو ہاتھ میں لیا تو پھر وہ عصا بن گیا۔

[۳۶] ۞ جادوگر کیوں ایمان لائے؟ فرعون کی جے پکارنے والے جادوگروں نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے بنا ہوا سانپ ان کے سانپ کو ہڑپ کر رہا ہے تو انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ جادو کے فن سے ماورا کوئی اور چیز ہے۔ وہ کوئی معمولی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ
الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۭ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۭ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ

(اور) کہنے لگے: ''ہم پروردگار عالم پر ایمان لاتے ہیں(۴۷) جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے'' (۴۸) فرعون بول اٹھا: ''تم موسیٰ کی بات مان گئے پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا۔ یقیناً یہ تمہارا بڑا استاد ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اس کا انجام تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں میں کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی[۳۷] چڑھا دوں گا۔(۴۹)

وہ کہنے لگے: ''کچھ پروا نہیں! ہمیں اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونا ہے(۵۰) ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ضرور ہماری خطائیں معاف فرما دے گا کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان[۳۸] لائے ہیں'' (۵۱)

قسم کے جادوگر نہ تھے۔ بلکہ ملک بھر کے چوٹی کے ماہر اور نامور جادوگر تھے۔ لہٰذا جب ان کے بنائے ہوئے سب سانپ میدان مقابلہ سے ختم ہو گئے تو انہوں نے اپنی شکست کا برملا اعتراف کر لیا پھر اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ اسی بھرے مجمع میں رب العالمین پر ایمان لانے کا اقرار کیا اور یہ بھی ساتھ ہی وضاحت کر دی کہ رب سے مراد ہماری مراد فرعون نہیں بلکہ رب العالمین سے ہماری مراد وہ پروردگار ہے جو ہر چیز کا پرورش کنندہ ہے اور جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں۔

[۳۷] ۞ فرعون کی شکست اور جادوگروں کو سزا دینے کا اعلان:۔ فرعون ایک تو بھرے مجمع میں اپنی واضح شکست دیکھ چکا تھا۔ یہ رنج ابھی تازہ ہی تھا کہ اوپر سے اس کے جادوگروں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی رسالت کا اور اپنے ایمان لانے کا اقرار کر لیا تو وہ اس دوہرے صدمہ سے سیخ پا ہو گیا۔ اسے خطرہ یہ تھا کہ اب یہ سارا مجمع اور اس کے بعد اس کی قوم بھی اس کا ساتھ چھوڑ کر ایمان لے آئیں گے۔ لہٰذا اب وہ تشدد پر اتر آیا۔ وہ مقابلہ سے پہلے اپنے اس اقرار کو بھی بھول گیا جو وہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں جادوگروں کا ہی ساتھ دینا پڑے گا۔ فوراً ایک تجویز اس کے ذہن میں آئی اور اس نے جادوگروں پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ جادوگر تو پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ وہ ان کا استاد تھا اور یہ اس کے چیلے تھے۔ ان دونوں نے مل کر مجھے اس انجام تک پہنچایا ہے اور اس کی دلیل یہ پیش کی کہ شکست کے بعد جادوگروں نے مجھے پوچھا تک نہیں نہ مجھ سے مشورہ کیا۔ جادوگر میرے تھے اور مل گئے (موسیٰ علیہ السلام) سے اب ان کی اس فریب کاری کی میں انہیں پوری پوری سزا دوں گا اور ایسی سزا دوں گا جس سے باقی لوگوں کو ایسی حرکت کرنے کی جرأت تک نہ ہو سکے۔

فرعون دراصل اس اعلان سے دوہرا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ پہلے بھی اپنے طور پر یہ سمجھ چکا کہ موسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ کا رسول ہے۔ لیکن دوسروں کو الو بنانے کی خاطر انہیں یہ یقین دلا رہا تھا کہ موسیٰ اور اس کا بھائی ہارون اللہ کے رسول نہیں بلکہ جادوگر ہیں۔ ہر مقابلہ میں شکست کے بعد عوام الناس میں پھر اسی تاثر کو مزید تقویت دینے کی کوشش کی اور دوسرے جادوگروں کو سولی چڑھانے کا اعلان کر کے لوگوں کو خوف زدہ کر دیا تاکہ آئندہ کوئی شخص ان پر ایمان لانے کی جرأت نہ کر سکے۔

[۳۸] ۞ ایمان لانے کے بعد جادوگروں کے کردار میں تبدیلی:۔ مقابلہ سے پہلے جادوگروں کی یہ حالت تھی کہ وہ فرعون سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ
حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ: "راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ۔ تمہارا تعاقب کیا جائے گا" (۵۲) اس پر فرعون نے (فوج اکٹھی کرنے کے لئے) شہروں میں آدمی بھیج دیئے۔ (۵۳) (اور انہیں کہلا بھیجا کہ) یہ مٹھی بھر لوگ ہیں (۵۴) جو ہمیں غصہ چڑھا رہے ہیں (۵۵) اور ہم یقیناً ایک مسلح جماعت [۳۹] ہیں" (۵۶)

انعام واکرام حاصل کرنے کے لئے التجا کر رہے تھے لیکن جب وہ علیٰ وجہ البصیرت صدق دل سے ایمان لے آئے تو ان کے ذہن میں یک لخت انقلاب آگیا۔ جیسے یکدم کسی کی آنکھیں کھل جائیں۔ ان کے ایمان نے ان میں اتنی جرأت پیدا کر دی تھی کہ اب وہ اسی جابر اور ظالم فرعون کی سولی کی دھمکی کو بھی خاطر میں نہیں لا رہے تھے وہ یک زبان ہو کو بول اٹھے تم جتنا بُرا سلوک ہم سے کر سکتے ہو اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔ زیادہ سے زیادہ تم ہمیں مار ہی سکتے ہو۔ اس سے زیادہ تو ہمارا کچھ بگاڑ سکو گے مگر ہمیں جو دولت ایمان میسر آئی ہے وہ ان تکلیفوں کے مقابلہ میں ہزار درجہ بہتر ہے۔ اور ہم توقع رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری سابقہ زندگی کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس معرکہ حق و باطل میں جادوگروں کی شکست کے بعد جس طرح جادوگروں ایمان لائے تھے اسی طرح فرعون بھی ایمان لے آتا۔ مگر وہ پہلے سے زیادہ اکڑ بیٹھا جس کی وجہ محض یہ تھی کہ اگر وہ ایمان لاتا تو اس کی ساری حکومت اور اقتدار ہاتھ سے جاتا تھا اور اسے موسیٰ علیہ السلام کا مطیع فرمان بن کر رہنا پڑتا تھا۔ لیکن جادوگروں کو ایسی کوئی فکر لاحق نہ تھی۔ جس سے ایک واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایمان لانے میں سب سے بڑی رکاوٹ اپنے جاہ، اپنی سرداریوں اور اپنے اقتدار سے دستبرداری ہوتی ہے اور ایسے ہی لوگ انبیاء کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے مخالف اور دشمن ہوتے ہیں۔

[۳۹] ❁ بنی اسرائیل کے ایمان لانے پر لڑکوں کو قتل کرنے کی سزا:۔ اس مقام پر بہت سے واقعات چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ یہ بات بھی پوری طرح معلوم نہیں ہو سکی کہ آیا فرعون نے ان جادوگروں کو بعض مصلحتوں کی بنا پر سولی چڑھانے کی دھمکی دی تھی یا فی الواقع چڑھایا بھی تھا۔ غالب گمان یہی ہے کہ اس نے یہ کام ضرور کیا ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ باطل پرست جب دلائل کے میدان میں شکست کھا جاتے ہیں تو تشدد اور اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتے ہیں۔ پھر بھی ان کا غصہ رفع نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسے مظالم کے نتائج بسا اوقات توقع کے خلاف نکلتے ہیں اور جس کو جتنی قوت سے دبانے کی کوشش کی جائے اتنی ہی قوت سے ابھرتی اور اپنی جڑیں مضبوط بنا لیتی ہے۔ مصر میں بھی یہی کچھ ہوا۔ بے شمار اسرائیلی سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو موجودہ فرعون نے اس اسرائیلیوں کے لئے وہی سزا تجویز کی جو اس کے باپ نے کی تھی۔ یعنی بنی اسرائیل کے نومولود سب لڑکوں کو مار ڈالا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے اور اس طرح بتدریج ان کی نسل کو ختم کر دیا جائے۔ یہ تو فرعون کا منصوبہ تھا لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ علاوہ ازیں فرعون کی قوم کے چند لوگ چوری چھپے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔

❁ بنی اسرائیل کی شام کی طرف ہجرت:۔ جب فرعون کے مظالم کی حد ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ ملک مصر سے ہجرت کر کے ملک شام کی طرف جانے کا حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر راتوں رات نہایت خفیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۵۹﴾
فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَاۗءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ

اس طرح ہم فرعونیوں کو ان کے باغات اور چشموں سے(۵۷) اور خزانوں اور بہترین قیام گاہوں[۴۰] سے نکال لائے۔(۵۸) اور اس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث[۴۱] بنادیا۔(۵۹) چنانچہ (ایک دن) صبح کے وقت فرعونی ان کے تعاقب میں چل پڑے۔(۶۰) پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھی[۴۲] چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے۔(۶۱) موسیٰ نے کہا: "ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ میرا پروردگار میرے

طریقہ سے یہاں سے نکل جائیں۔ اور پوری احتیاط ملحوظ رکھیں اور جب سفر شروع کریں تو جلد از جلد مصر کے ملک سے پار نکل جانے کی کوشش کریں فرعون یقیناً ان کا تعاقب کرے گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مصر کے اندر ہی تم لوگوں کے سر پر آن پہنچے۔

فرعون کو جب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی روانگی کا علم ہوا تو بہت سٹ پٹایا۔ اس کے سارے منصوبے خاک میں مل رہے تھے اس نے ایک لشکر جرار تیار کرنے کا حکم دیا اور درباریوں سے کہنے لگا۔ یہ مٹھی بھر کمزور سی جماعت ہے اور ان لوگوں نے فرار کی راہ اختیار کر کے ہمیں خواہ مخواہ غصہ چڑھا دیا ہے لہذا ہمیں چاہئے کہ فوراً ان کا تعاقب کر کے انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ ہمارے مسلح اور جرار لشکر کے مقابلہ میں ان بے چاروں کی حقیقت ہی کیا ہے۔

[۴۰] ❁ فرعون کا تعاقب:۔ چند دنوں میں فرعون نے بنی اسرائیل کے تعاقب اور ان سے نمٹنے کے لئے ایک لشکرِ جرار اکٹھا کر لیا اور ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان کا تو یہی خیال تھا کہ چند دنوں میں ہم انہیں گرفتار کر کے واپس لے آئیں گے اور جو مقابلہ پر آئیں گے انہیں قتل کر ڈالیں گے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ جن محلوں اور باغوں سے نکل کر وہ ان کے تعاقب میں جا رہے ہیں ان محلوں اور باغوں کو دوبارہ دیکھنا بھی ان کے نصیب میں نہ ہوگا۔ اور بنی اسرائیل کا شکار کرنے والا یہ لشکر خود موت کے ہاتھوں شکار بن جائے گا۔

[۴۱] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ مصر میں بھی رہ گئے تھے سارے کے سارے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ روانہ نہیں ہوئے تھے۔ جب فرعون اور اس کے جملہ اعیانِ سلطنت غرق ہو کر ہلاک ہو گئے تھے۔ تو ساتھ ہی آلِ فرعون کا اقتدار بھی ختم ہو گیا تھا اور یہی پیچھے رہنے والے بنی اسرائیل ان کے محلوں اور باغات پر قابض ہو گئے تھے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل مصر کے کچھ حصہ پر قابض ہوئے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت میں اس عہد کی طرف اشارہ ہو۔ جب سیدنا سلیمان علیہ السلام کی حکومت مصر تک پھیل گئی اور بنی اسرائیل ہی فرعونیوں کے محلات اور باغات پر قابض ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

[۴۲] ❁ فرعون کی بدحواسی:۔ فرعون کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف تو وہ بنی اسرائیل کو ایک مٹھی بھر اور کمزور سی جماعت قرار دے رہا تھا دوسری طرف وہ ایک عظیم الشان مسلح لشکر کی تیاری کا حکم دے رہا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کو یقین تھا کہ بنی اسرائیل محض ایک کمزور سی اور مٹھی بھر جماعت ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ان کے شامل حال ہے۔ لہذا اس نے ہر ممکن احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا لشکرِ جرار تیار کرنے کا حکم دیا تھا جس کے تیار ہونے میں خواہ مخواہ کچھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ
الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ

ساتھ ہے وہ جلد ہی میری رہنمائی[۴۳] کر دے گا" (۶۲) چنانچہ ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ: "اپنا عصا سمندر پر مارو" چنانچہ سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ایک حصہ[۴۴] ایک بڑے پہاڑ کی طرح (ساکن و جامد) ہو گیا۔ (۶۳) اور اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے[۴۵]۔ (۶۴) موسیٰ اور اس کے تمام ساتھیوں کو تو ہم نے بچا لیا (۶۵) اور دوسرے گروہ کو وہاں غرق کر دیا۔ (۶۶)

عرصہ لگ گیا۔ فرعون کے اس لشکر نے بالآخر بنی اسرائیل کو بحیرہ قلزم کے کنارے پر جا پکڑا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ دونوں لشکروں میں صرف اتنا فاصلہ رہ گیا تھا کہ دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ بنی اسرائیل سمندر کے کنارے پر کھڑے تھے۔ پیچھے سے فرعون کا لشکر تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ بنی اسرائیل جو فرعون سے پہلے ہی سخت خوف زدہ تھے یہ صورت حال دیکھ کر سخت گھبرا گئے۔ آگے سمندر تھا پیچھے فرعون کا لشکر، دونوں طرف موت ہی موت کھڑی نظر آ رہی تھی۔ لہٰذا ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے، موسیٰ اب تو ہم مارے گئے۔

[۴۳] لیکن موسیٰ علیہ السلام پر اس صورت حال کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو فتح و نصرت کے وعدے کر رکھے ہیں وہ یقیناً پورے ہوں گے۔ اور اس مصیبت سے نجات کے لئے بھی اللہ ضرور کوئی راہ نکال دے گا۔ لہٰذا انہوں نے گھبرائے ہوئے بنی اسرائیل کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ فرعون تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال ہے وہ ان حالات میں بھی ضرور ہماری رہنمائی فرمائے گا۔

[۴۴] ❁ عصا مارنے سے سمندر میں بارہ راستے بن جانا:۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بموجب وحی الٰہی جب اپنا عصا سمندر پر مارا تو وہ دو حصوں میں بٹ گیا اور درمیان میں کافی کشادہ راستہ بن گیا۔ اور راستہ خشک بھی فوراً ہو گیا۔ نیچے دلدلی زمین نہیں تھی۔ ایک طرف کا پانی بھی ساکن جامد پہاڑ کی طرح کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور دوسری طرف کا بھی۔ لیکن مفسرین کی نقل کردہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشک راستہ نہیں بلکہ بارہ راستے بنے تھے اور ﴿كُلُّ فِرْقٍ﴾ کے الفاظ بھی ان روایات کی تائید کرتے ہیں کیونکہ کل کا لفظ دو کے لئے نہیں آتا۔ روایات کے مطابق سمندر میں بارہ راستے بنے تھے اور بنی اسرائیل کے بارہ ہی قبیلے تھے اور ہر قبیلے کے تقریباً بارہ ہزار افراد تھے جو ہجرت کر کے آئے تھے اس لحاظ سے ان مہاجرین کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار بنتی ہے اور بعض روایات کے مطابق یہ تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ جبکہ فرعون کے لشکر کی تعداد ان سے بہت زیادہ تھی۔

[۴۵] اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر بنی اسرائیل کے لئے نجات کی راہ پیدا کر دی۔ اور بنی اسرائیل اس میں سے گزر کر بخیر و عافیت اس بحیرہ کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اس وقت فرعون کا لشکر انہی راستوں سے گزر کر سمندر پار کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ شاید اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال آیا ہو تو اب دوبارہ سمندر پر اپنا عصا ماریں۔ تاکہ پانی پھر سے آپس میں مل جائے اور فرعون کا لشکر ان تک نہ پہنچنے پائے لیکن اسی وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ ﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا﴾ (۴۴: ۲۴) یعنی سمندر کو اسی حال میں پہاڑوں کی طرح کھڑا چھوڑ دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی صرف یہی نہیں تھی کہ بنی اسرائیل ان فرعونیوں سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com


فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾ وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ

اس واقعہ میں بھی ایک نشانی [۴۶] ہے لیکن ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں (۶۷) اور بلاشبہ تمہارا [۴۷] پروردگار ہی ہر چیز پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔ (۶۸) اور انہیں ابراہیم کا قصہ [۴۸] (بھی) سنایئے (۶۹)

نجات پا جائیں بلکہ یہ بھی تھی کہ اس ظالم قوم کو سمندر میں غرق کر کے صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے۔

۞ فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی:۔ فرعون اور آل فرعون اگر بنی اسرائیل کا تعاقب نہ کرتے یا سمندر سے ہی واپس چلے جاتے تو ان کا صرف اتنا ہی نقصان ہوتا کہ ایک غلام قوم ہاتھ سے نکل گئی۔ مگر اللہ کی مشیت پوری ہو کے رہتی ہے۔ ان کی ہلاکت ہی انہیں مقام ہلاکت تک کھینچ لائی تھی۔ پھر جب انہوں نے سمندر میں کھلے راستے دیکھے۔ پھر بھی فرعون کو یہ خیال نہ آیا کہ ممکن ہے کہ سمندر میں اس طرح راستہ بن جانا ایک خرق عادت امر اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہو۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ فوراً اپنے گھوڑے انہی راستوں پر ڈال دیئے۔ اور جب فرعون کا پورا لشکر سمندر کی زد میں آ گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا کہ وہ اپنی طبعی حالت پر واپس آ جائے اور آپس میں مل جائے۔ چنانچہ خدائی کے بلند و بانگ دعوے کرنے والا فرعون اپنے تمام اہلیانِ سلطنت اور لاؤ لشکر سمیت اس سمندر میں غرق ہو گیا۔

[۴۶] ۞ فرعون کے قصہ میں سامان عبرت:۔ یعنی اس واقعہ میں ہر طرح کے لوگوں کیلئے نشانی ہے۔ ظالموں کیلئے یہ نشانی ہے کہ وہ اپنے کرتوتوں کی سزا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت انہیں ایسے راستوں سے مقام ہلاکت کی طرف کھینچ لاتا ہے جن کا انہیں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ لہذا اے معاندینِ قریش تم بھی اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو کہ کہیں تمہیں بھی ایسے انجام بد سے دوچار نہ ہونا پڑے اور اس واقعہ میں ایمان لانے والوں کیلئے بھی نشانی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو آزماتا ضرور ہے۔ انہیں تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ مظلوموں کی ہی مدد کرتا ہے اور ظالموں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

[۴۷] یعنی ایسی واضح نشانی دیکھ کر بھی منکرین حق کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سزا دینے کی اللہ پوری قدرت رکھتا ہے لیکن فوراً سزا اس لئے نہیں دیتا کہ وہ رحیم بھی ہے۔

[۴۸] سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قصہ قریشِ مکہ سے گہری مناسبت رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا پیروکار ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام وہ ہستی ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی شرک کے خلاف جہاد میں گزاری اور اس راہ میں آنے والی ہر مصیبت کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ جبکہ قریش مکہ اپنے اس اتباعِ ابراہیمی کے دعویٰ کے باوجود سر سے پاؤں تک شرک میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہیں یہ اعتراف بھی تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام خالصتاً توحید پرست اور شرک سے سخت بیزار تھے اور یہ بھی اعتراف تھا کہ عرب میں شرکیہ رسوم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے صدیوں بعد رائج ہوئیں۔

۞ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خانگی ماحول اور باپ کو نصیحت:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی سر تا پا شرک میں مبتلا تھی۔ دوسروں کا کیا ذکر آپ کا باپ آزر نمرود کے دربار میں شاہی مہنت تھا۔ وہ خود بت تراش بھی تھا اور بت فروش بھی۔ اس کا ذریعہ معاش بھی بت گری اور بت فروشی تھا۔ اور جاہ و منصب بھی اسے اسی وجہ سے حاصل ہوا۔ ایسے باپ کے گھر اور ایسے ماحول میں سیدنا ابراہیم پیدا ہوئے۔ نبوت عطا ہوئی تو سب سے پہلے اپنے باپ کو ہی سمجھانا شروع کیا اور پھر اس کے بعد دوسرے لوگوں کو۔ اپنے باپ اور اپنی قوم سے ان کا پہلا سوال ہی یہ تھا کہ ان پتھر کے بتوں اور مورتیوں میں کیا خصوصیت ہے جو تم ان کی پوجا کرتے ہو۔ آخر تم ان کو کیا سمجھ کر ان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



إِبْرٰهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ
هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذٰلِكَ

جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا: "یہ کیا چیزیں ہیں جن کی تم پوجا کرتے ہو؟" (۷۰) وہ کہنے لگے: ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انہیں کے پاس بیٹھے [۴۹] رہتے ہیں (۷۱) ابراہیم نے پوچھا: "جب تم انہیں پکارتے ہو تو یہ تمہاری بات سنتے ہیں؟ (۷۲) یا تمہیں کچھ فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے [۵۰] ہیں؟" (۷۳) وہ کہنے لگے: "نہیں بلکہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو ایسا کرتے پایا [۵۱] ہے" (۷۴)

پوجا کرتے ہو اور ان کی نذریں نیازیں دیتے ہو؟

[۴۹] لوگوں نے جواب میں کہا کہ تم نے ان سے متعلق نہایت حقارت کے لہجہ میں یہ سوال کیا ہے۔ حالانکہ ہمارے نزدیک یہ انتہائی قابل احترام چیزیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم عجز و نیاز سے سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔

❁ انسانی زندگی پر سیاروں کے اثرات کا عقیدہ:۔ پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم حقیقتاً ستارہ پرست تھی۔ اور وہ سیاروں کے انسانی زندگی پر اثرات کے شدت سے قائل تھے۔ انہوں نے ہر سیارہ کی روح کی ایک تصویر اپنے ذہن میں طے کر رکھی تھی پھر اسی تصویر کے مطابق ان کے مجسمے یا بت بنائے جاتے تھے۔ مثلاً کوئی سورج دیوتا کا مجسمہ تھا تو کوئی چاند دیوی کا۔ اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جس سیارہ کا وہ مجسمہ ہو اس سیارہ کی روح کا اس سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ اور اگر ان بتوں کی پوجا پاٹ کریں گے تو سیاروں کے غضب اور ان کے مضر اثرات سے محفوظ رہیں گے۔ اور یہ سب کچھ ان کا وہم و قیاس ہی تھا۔ جس کے لئے کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔

[۵۰] سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اگلا سوال یہ تھا کہ جب تم انہیں پکارتے ہو تو یہ کوئی جواب دیتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہی ہو سکتا تھا۔ بھلا پتھر کے خود ساختہ بتوں کا سننے یا سن کر جواب دینے سے کیا کام؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اگلا سوال یہ کیا کہ یہ بت تمہارا کچھ سنوار یا بگاڑ سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب بھی نفی میں ہی ہو سکتا تھا بھلا جو بت اپنے وجود، اپنی حفاظت اور اپنے وجود کی بقا تک کے لئے اپنے عقیدت مندوں کے محتاج ہوں۔ نہ سنتے ہوں نہ بولتے ہوں۔ وہ اپنے عقیدت مندوں کی کون سی حاجت پوری کر سکتے ہیں یا ان کی کوئی تکلیف رفع کر سکتے ہیں؟

[۵۱] ❁ بتوں کے متعلق سیدنا ابراہیم کے اپنی قوم سے سوال:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے مشرکوں سے جو سوال کئے وہ ایسی صفات ہیں جن کا ایک معبود حقیقی میں پایا جانا لازمی ہے۔ یعنی وہ پکارنے والے کی پکار یا فریاد کو سنتا ہو پھر اس کا جواب بھی دیتا ہو۔ اس کی حاجت براری کی طاقت بھی رکھتا ہو اور اسے نقصان اور تکلیف سے بچا بھی سکتا ہو۔ اگر کسی معبود میں یہ صفات نہ پائی جائیں تو وہ معبود باطل ہی ہو سکتا ہے حقیقی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ سوالات دراصل "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کے مصداق قریش مکہ سے ہی ان کے معبودوں کے متعلق سوال ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم آپ کے سوالوں کا تو کوئی جواب دے نہیں سکتی تھی۔ لے دے کے ان کے پاس جو جواب ہو سکتا تھا وہ یہی تھا کہ چونکہ ہمارے آباء واجداد ایسا کرتے آئے ہیں اور مدتوں سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے لہذا ہم بھی یہ کام چھوڑ نہیں سکتے۔ ہمارے آباء واجداد ہم سے زیادہ سمجھدار زیادہ بزرگ اور زیادہ نیک تھے۔ آخر انہوں نے ان بتوں کی پرستش میں کچھ فائدہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾ قَالَ أَفَرَءَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُمُ ٱلْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ
إِلَّا رَبَّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٧٧﴾ ٱلَّذِى خَلَقَنِى فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَٱلَّذِى هُوَ يُطْعِمُنِى وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾

ابراہیم نے کہا: ''بھلا دیکھو تو جن کو تم پوجتے ہو(۷۵) اور تمہارے پہلے آباء واجداد بھی پوجتے رہے ہیں۔(۷۶) یہ تو میرے دشمن[۵۲] ہیں (جو جہنم میں لے جائیں گے) بجز رب العالمین[۵۳] کے (۷۷) جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی[۵۴] کرتا ہے۔(۷۸) وہی مجھے کھلاتا[۵۵] ہے اور پلاتا ہے(۷۹)

دیکھا ہوگا۔ تبھی تو انہوں نے یہ کام شروع کیا تھا آخر ان کے پاس بھی کوئی دلیل تو ہوگی؟

[۵۲] سیدنا ابراہیم کی بتوں سے دشمنی:۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں بلکہ یوں فرمایا کہ یہ میرے دشمن ہیں۔ تاکہ قوم کے لوگ چڑ نہ جائیں اور ضد بازی پر نہ اتر آئیں۔ اور ان کے دشمن ہونے کا ذکر سورہ مریم کی آیت نمبر ۸۲ میں موجود ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکوں کو اور ان کے معبودوں کو آمنے سامنے لا حاضر کرے گا تو یہی معبود خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان، اپنے عبادت کرنے والوں کے دشمن بن جائیں گے اور کہیں گے کہ احمقو! تمہیں ہم نے کب کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر ہماری عبادت کیا کرو۔ یہ تو آخرت میں دشمنی ہوئی اور آج یہ میرے دشمن ہیں۔ لہٰذا یہ میرا جو کچھ بگاڑ سکتے ہیں میں حاضر ہوں، میں دیکھوں گا کہ میرا یہ کیا نقصان کر سکتے ہیں اور ان کے دشمن ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ میں بھی ان کا دشمن ہوں۔ یعنی جہاں تک مجھ سے بن پڑا میں بھی ان سے دو دو ہاتھ کروں گا۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان معبودوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کئے بھی تھے۔ جس کا ذکر سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۵۷، ۵۸ میں گزر چکا ہے۔

[۵۳] میں اللہ رب العالمین کے سوا کسی کو بھی معبود تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ وہی ساری کائنات کا خالق ہے، مالک ہے، ان کی تربیت کرنے والا اور ان پر کنٹرول اور ان کی نگہداشت کرنے والا ہے اور مخلوق اور مملوک کے لئے یہی سزاوار ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے علاوہ کسی دوسرے کی غلامی نہ کرے۔

[۵۴] ان چار آیات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر کیا جن کا تعلق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات سے ہی نہیں بلکہ ہر انسان سے تعلق ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہی وہ صفات ہیں جن کی بنا پر ہر انسان کو صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرنا چاہئے۔ پہلی صفت یہ ہے کہ اسی نے مجھے پیدا کیا اور وجود بخشا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ایسی ہے جس کا کسی بھی دور کے مشرکوں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ یعنی جب میری تخلیق میں کسی دوسری ہستی کا کچھ حصہ نہیں۔ تو میری عبادت میں کوئی دوسرا کیسے حصہ دار بن سکتا ہے؟ دوسری صفت یہ ہے کہ اللہ نے مجھے پیدا کر کے تنہا نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ ہر مقام پر میری رہنمائی بھی کرتا ہے۔ اس سے مراد فطری رہنمائی بھی ہے جو ہر جاندار کو مہیا ہوتی ہے۔ مثلاً جب پیدا ہوتا ہے تو اپنی خوراک حاصل کرنے کیلئے ماں کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے۔ پھر اللہ نے ہی اسے دودھ پینے کا طریقہ بتا دیا۔ غرض موقع و محل کے لحاظ سے اللہ ہر مقام پر ہر جاندار کی رہنمائی اور دست گیری کرتا ہے اور انسانوں کی اخروی فلاح کے لئے وحی کے ذریعے رہنمائی فرماتا ہے اور اس ہمہ گیر قسم کی رہنمائی میں کسی دوسری ہستی کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا میری عبادت میں اللہ کے علاوہ دوسرا کوئی کیسے شریک بن سکتا ہے؟

[۵۵] اللہ تعالیٰ نے جاندار مخلوق کو پیدا کرنے سے پیشتر ہی ایسا انتظام فرمایا جس سے ہر جاندار کو روزی اور خوراک میسر آسکے۔ وافر مقدار میں پانی پیدا کر دیا۔ زمین میں قوت روئیدگی بخشی۔ ہوائیں چلائیں۔ بارش کا نظام قائم کیا اور ہر جاندار کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي

اور جب میں بیمار[۵۶] پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔(۸۰) نیز وہی مجھے مارے گا، پھر زندہ کرے[۵۷] گا(۸۱) اور جس سے میں توقع رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطائیں معاف[۵۸] کر دے گا"(۸۲) (اس کے بعد ابراہیم نے دعا کی کہ) پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے صالح لوگوں میں شامل[۵۹] کر دے۔(۸۳) اور پچھلے لوگوں میں مجھے سچی

تمام ضروریات اسی زمین کے ساتھ وابستہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کارنامہ بھی ایسا ہے جس میں دوسری ہستی شریک نہیں ہو سکتی تو پھر عبادت میں کیسے شریک ہو سکتی ہے؟

[۵۶] سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کی نسبت اللہ تعالیٰ کی بجائے اپنی طرف فرمائی تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اپنی کسرِ نفسی کی بنا پر ایسا کہا۔ ورنہ بیماری اور شفا سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب بیماری اور شفا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر جاندار کی طبیعت ہی اس کی سب سے بڑی معالج ہوتی ہے۔ بدن میں کسی مقام پر بھی کوئی نقص واقع ہو جائے تو طبیعت فوراً ادھر متوجہ ہو جاتی ہے۔ باہر سے کوئی آفت پڑنے کا خطرہ ہو تو ہر جاندار سے بلا ارادہ ایسی حرکات سرزد ہونے لگتی ہیں جو اس کی اس آفت سے حفاظت کر سکیں اور دوائی کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب طبیعت کی مدافعت سے معاملہ بڑھ جائے اور دوائی کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ طبیعت کی مدد کرتی ہے ورنہ اصل معالج طبیعت ہی ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہی بنائی ہے علاوہ ازیں دواؤں میں تاثیر اور خاصیت بھی اللہ کی پیدا کردہ ہے پھر کبھی دوا اپنا اثر دکھاتی ہے کبھی بے اثر ثابت ہوتی ہے اور کبھی الٹا اثر دکھاتی ہے اسی لئے کوئی حکیم یا ڈاکٹر یہ بات دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ فلاں مرض کا علاج کر کے شفا دے سکتا ہے۔ بلکہ ہر شخص اس معاملہ میں اپنے عجز کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے کہ شفا من جانب اللہ ہوتی ہے۔ پھر جب شفا بخشنے میں اللہ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کا دخل نہیں تو عبادت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا کیسے شریک بنایا جا سکتا ہے؟

[۵۷] زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے:۔ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے نہ کسی کو مفر ہے اور نہ اس میں کسی کا کچھ اختیار ہے۔ انسان نہ اپنی مرضی سے پیدا ہوا تھا اور نہ اپنی مرضی سے موت کو ٹال سکتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی دوبارہ زندگی کو بھی روکنے میں بھی مجبور محض ہے۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر آن زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کرنے کے کرشمے دکھاتا رہتا ہے۔ لہٰذا دوبارہ پیدائش سے انکار کی معقول وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور یہ ایسے کام ہیں جن میں اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ پھر اللہ کی عبادت میں آخر دوسروں کو کیوں شریک بنایا جا سکتا ہے۔ یا دوسروں کو عبادت کے لائق کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

[۵۸] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب عدالت قائم فرمائے گا تو اس وقت بھی اس کی عدالت، حاکمیت اور فیصلوں میں کسی دوسری ہستی کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا۔ جس طرح مذکورہ بالا امور میں کسی دوسرے کا کچھ عمل دخل نہیں ہے۔ اور چونکہ میں نے اللہ کی عبادت میں دوسرے کسی کو اس کا شریک نہیں سمجھا لہٰذا مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن میری چھوٹی موٹی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما دے گا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی سامنے آتا ہے کہ جس کسی نے اللہ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک بنایا ہوگا اس کی مغفرت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

[۵۹] اللہ تعالیٰ کی مندرجہ بالا صفات بیان کرنے کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہو جاتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾
وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾

ناموری[۶۰] عطا کر۔(۸۴) اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں[۶۱] میں شامل فرما(۸۵) اور میرے باپ کو معاف کر دے بلاشبہ وہ گمراہوں[۶۲] میں سے ہے۔(۸۶) اور جس دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے، مجھے رسوا[۶۳] نہ کرنا۔(۸۷) جس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا اور نہ اولاد(۸۸) بجز اس کے کہ کوئی اطاعت گزار دل لے کر اللہ کے حضور[۶۴] حاضر ہو۔"(۸۹)

پہلی دعا یہ ہے کہ یا اللہ مجھے صحیح قوت فیصلہ اور دینی بصیرت عطا فرما اور میرے علم میں اضافہ کر اور مجھے نیک لوگوں کی سوسائٹی عطا فرما۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ایک نیک بخت اور نیک سیرت انسان اگر کسی بری سوسائٹی میں پھنس جائے تو اسے جتنی تکلیف اور ذہنی کوفت ہوتی ہے، اسے سب جانتے ہیں۔ لہٰذا ہر شخص کو کوشش کرنی چاہئے اور اس کے لئے دعا بھی کرتے رہنا چاہئے کہ اسے نیک لوگوں کی صحبت حاصل ہو۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ یقیناً نیک لوگوں کو نیک لوگوں سے ہی ملا دے گا۔ تاہم اس نعمت کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی ایسی دعا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی وفات کے ساتھ یہ دعا فرمائی تھی۔ اللھم الرفیق الاعلیٰ۔

[۶۰] یعنی اس دنیا میں، میں ایسے اچھے کام کر سکوں کہ بعد میں آنے والے لوگ میرا ذکر اچھے الفاظ میں کیا کریں۔ سیدنا ابراہیم کی یہ دعا حرف بحرف قبول ہو گئی۔ دنیا کے اکثر اہل مذاہب آپ کو اپنا دینی پیشوا ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم سے بہت سی باتوں میں منحرف ہو چکے ہیں۔ اسلام نے از سر نو دین ابراہیمی کو زندہ کیا۔ اور ہر نماز میں درود کو واجب قرار دے کر آپ کا ذکر خیر بھی جاری کیا۔ مگر افسوس ہے کہ دوسرے مذاہب کی طرح مسلمان بھی خالص دین ابراہیمی سے ہٹ چکے ہیں۔ اور اپنے دین میں شرک کی آمیزش کر لی ہے۔

[۶۱] وارث تو وہ اس لحاظ سے ہوں گے کہ ان کے جد امجد کا اصل مسکن جنت ہی تھا۔ اور جنت کے وارث صالحین ہی ہوں گے۔ جن کے ساتھ ملانے کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام دعا فرما رہے ہیں۔

[۶۲] جب باپ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مشرک کے خلاف جہاد کی سزا کے طور پر گھر سے نکالا تھا۔ اس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے دعائے مغفرت کا وعدہ کیا تھا۔ (۱۹: ۴۷) اس کے بعد آپ نے دعائے مغفرت بھی فرمائی جیسا کہ یہاں مذکور ہے۔ اور ایک دفعہ اپنے والد اور والدہ دونوں کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی تھی۔ (۱۴: ۴۱) پھر جب آپ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ مشرک کی کسی حال میں مغفرت نہیں ہو گی تو آپ نے ایسی دعا کرنا چھوڑ دی تھی۔

[۶۳] سیدنا ابراہیم کے باپ کا حشر:۔ قیامت کے دن مجھے تمام اولین و آخرین کے سامنے یوں رسوا نہ کرنا کہ باپ سزا پا رہا ہو اور ابراہیم علیہ السلام کھڑا دیکھ رہا ہو۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سیدنا ابراہیم قیامت کے دن اپنے والد کو اس حال میں دیکھیں گے کہ منہ پر سیاہی اور گرد و غبار چڑھ رہا ہو گا۔ آپ والد سے کہیں گے۔ میں نے تمہیں کہا نہ تھا میری نافرمانی نہ کرو۔ باپ کہے گا: آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے پروردگار سے کہیں گے کہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ قیامت کے دن مجھے ذلیل نہیں کروں گا اس سے بڑھ کر میری کیا ذلت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ
اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ

(اس دن) جنت پرہیز گاروں کے قریب لائی جائے گی۔(۹۰) اور گمراہ لوگوں کو جہنم سامنے دکھائی[۶۵] جائے گی۔(۹۱) اور ان سے کہا جائے گا: تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے۔(۹۲) کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے[۶۶] ہیں یا وہ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں(۹۳) ان معبودوں کو اور ان گمراہوں کو جہنم میں منہ کے بل پھینک دیا جائے گا(۹۴) اور ابلیس کے سب لشکروں[۶۷] کو بھی(۹۵) جہنم میں یہ سب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ گمراہ لوگ (اپنے معبودوں سے) کہیں گے(۹۶) اللہ کی قسم! ہم تو واضح گمراہی میں مبتلا تھے۔(۹۷) جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر

ہو گی کہ میرا باپ ذلیل ہو رہا ہے اور تیری رحمت سے محروم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا۔ ذرا اپنے پاؤں تلے تو دیکھو وہ دیکھیں گے تو ایک نجاست سے لتھڑا ہوا بجو نظر آئے گا (اور والد کا کوئی پتہ نہیں لگے گا) پھر اس کے پاؤں سے پکڑ کر اس بجو کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا" (بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب قول اللہ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا) گویا قیامت کے دن سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی رسوائی کا علاج کیا جائے گا کہ آپ کے باپ کی شکل و صورت ہی مسخ کر دی جائے گی۔

[۶۴] آیت نمبر ۸۸، ۸۹ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا حصہ بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اس دن مجھے رسوا نہ کرنا جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ یعنی میرے باپ کی دولت اس دن اس کے کسی کام نہ آئے گی اور نہ ہی میں کام آسکوں گا۔ کام آنے والی چیز تو صرف اللہ کی اطاعت ہو گی۔ جو شخص فرمانبردار دل لے کر حاضر ہوا وہی کامیاب ہو گا اور دوسری صورت میں قیامت کی یہ صفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوئی ہیں۔

[۶۵] قیامت کے دن اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی جنت اپنی تمام دلکشیوں اور رعنائیوں سمیت پرہیز گاروں کے قریب کر دی جائے گی۔ جسے دیکھ کر وہ بہت مسرور ہوں گے اور اس میں داخلہ کے لئے بیتاب ہوں گے۔ اسی طرح دوزخ اپنی تمام ہولناکیوں اور چنگھاڑوں سمیت گمراہ لوگوں کے سامنے لائی جائے گی۔ اور اہل دوزخ کو دیکھ کر وہ اور بھی جوش دکھانے اور چنگھاڑنے لگے گی۔ یہ منظر دیکھ کر اہل دوزخ کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہی پتے پانی ہو جائیں گے۔

[۶۶] اہل دوزخ سے پوچھا جائے گا۔ بتاؤ آج تمہارے وہ معبود کدھر ہیں جنہیں تم نے اللہ کے ہاں اپنے سفارشی سمجھ رکھا تھا اور اللہ کے بجائے انہی کی نذر و نیازوں اور نیاز مندیوں میں لگے رہتے تھے آج تو وہ اپنے آپ کو بھی دوزخ سے بچا نہیں سکتے تمہاری کیا خاک مدد کریں گے؟

[۶۷] اہل دوزخ کو دوزخ میں پھینکنے کا طریقہ یہ ہو گا پہلے ایک دوزخی کو اوندھے منہ دوزخ میں پھینکا جائے گا، اوپر سے دوسرے کو، پھر اوپر سے تیسرے کو، گویا ان کو دوزخ میں اس بیدردی سے پھینکا جائے جیسے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو پھینکا جاتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا

سمجھ[۶۸] رکھا تھا۔(۹۸) ہمیں مجرموں نے اس گمراہی میں ڈالا تھا۔(۹۹) آج تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں۔(۱۰۰) نہ کوئی مخلص دوست ہے۔(۱۰۱) کاش! اگر ہمیں ایک دفعہ پھر (دنیا میں) لوٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومنوں[۶۹]

ہے۔ اور دوزخ میں یوں پھینکے جانے والے لوگ تین طرح کے ہوں گے ایک مشرک لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے والے، دوسرے ان کے معبود، خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان تاکہ مشرکوں کی حسرت میں مزید اضافہ ہو۔ اور تیسرے ابلیس کے لشکر جو ان کی گمراہیوں کا اصل سبب بنے تھے۔

[۶۸] ۞ کون سے معبود جہنم میں ڈالے جائیں گے؟ معبود صرف وہ دوزخ میں پھینکے جائیں گے جو بے جان ہیں مثلاً شجر و حجر اور پتھر یا لکڑی کے بت وغیرہ۔ ان کو پھینکنے کی دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ مشرکوں کی ندامت اور حسرت میں اضافہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ جہنم کی آگ کو مزید بھڑکائیں۔ اور جاندار اشیاء میں سے صرف وہ بزرگ اور اولیاء حضرات دوزخ میں ڈالے جائیں گے جنہوں نے اپنے مریدوں سے شفاعت کے اور ان کو بخشوانے کے وعدے کر رکھے ہوں گے یا وہ ایسی آرزو رکھتے ہوں کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ ان میں بھی تسلیم کی جائیں۔ یا اگر کوئی شخص ایسی بات کرے تو اسے ناگوار سمجھنے کے بجائے انہیں خوشی محسوس ہو۔ رہے فرشتے یا انبیاء یا توحید پرست بزرگ جنہیں اس بات کی خبر تک نہیں کہ ان کی عبادت کی جاتی رہی ہے تو ایسے معبود ہرگز جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔

۞ عابد اور معبود کا مکالمہ:۔ جہنم میں پھینکے جانے کے بعد مشرک اپنے معبودوں سے الجھ پڑیں گے اور انہیں مخاطب کر کے کہیں گے کہ ہم نے دنیا میں تمہیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ رکھا تھا۔ اسی خیال سے ہم تمہیں پکارتے رہے، تمہاری نذریں نیازیں دیتے رہے، تمہارے آگے جھکتے رہے اور سر تسلیم خم کرتے رہے اور ہر وہ کام کیا جو صرف اللہ رب العالمین کے لئے سزاوار تھا۔ تو یہ ہماری سخت بھول تھی، گمراہی تھی اور اس گمراہی میں ہمیں ابلیس کے ان ساتھیوں نے مبتلا کر رکھا تھا۔ اور آج جب حقیقت حال سامنے آئی ہے تو معلوم ہوا کہ تم بھی ایسے ہی بے بس ہو۔ جیسے ہم ہیں۔ تم خود عذاب میں پڑے ہو۔ تو تم سے سفارش کی کیا توقع کی جا سکتی ہے حالانکہ تمہیں ہی ہم نے اپنا سفارشی سمجھ رکھا تھا۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ آج ہمیں کوئی ایسا دوست بھی نظر نہیں آتا جسے کم از کم ہمارے دکھ درد کا احساس تو ہو۔ دکھ بانٹنا یا سفارش کرنا تو دور کی بات ہے۔ کم از کم ہمیں تسلی دینے کے لئے کوئی دو جملے ہی کہہ دے۔

[۶۹] مجرموں اور جہنمیوں کے اس قول اور اس آرزو کا ذکر بھی قرآن میں متعدد بار آیا ہے اور ساتھ ہی اس کا جواب بھی مذکور ہے۔ یعنی ان کو اگر دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو پھر بھی وہ وہی کام کریں گے جیسے پہلے کرتے رہے ہیں (۲۸:۱۶) کیونکہ انسان کی تو عادت ہی یہ ہے کہ مشکل کے وقت جب جان پر بن جاتی ہے تو اس وقت وہ صرف ایک اللہ ہی کو یاد کرتا ہے اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتا ہے۔ لیکن جب اللہ اسے مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو بعد میں وہ پھر اللہ کو بھول جاتا ہے اور اپنے معبودوں کو ہی پکارنے لگ جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ ع ۹
اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

میں شامل ہوں(۱۰۲) اس میں بھی ایک نشانی[۷۰] ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔(۱۰۳) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار ہی سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔(۱۰۴)

نوح کی قوم نے (بھی) رسولوں[۷۱] کو جھٹلایا تھا۔(۱۰۵) جبکہ ان کے بھائی نوح نے انہیں کہا تھا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔(۱۰۶) میں تمہارے لئے ایک امانتدار[۷۲] رسول ہوں(۱۰۷) لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت[۷۳] کرو۔(۱۰۸) میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا[۷۴] میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔(۱۰۹)

[۷۰] سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعات زندگی میں نشانی یہ ہے کہ شرک کے خلاف جہاد میں ان کے باپ اور ان کی قوم نے ان کو جس قدر تکلیفیں پہنچائیں اللہ نے انہیں اتنا ہی اعزاز بخشا۔ اسے تمام لوگوں کا امام اور پیشوا بنا دیا۔ سب مذاہب کے لوگ ان کا انتہائی عزت و احترام کرتے ہیں اور انہیں اپنا روحانی پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔ رہتی دنیا تک لوگ ان کا ذکر خیر کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر اس مصیبت سے نجات بخشی جس میں ان کی قوم نے انہیں ڈالا۔ اور ان کے مقابلہ میں ان مشرکوں کو ہر مقام پر ذلیل و رسوا کیا۔ یہ سب دیکھنے اور جاننے کے بعد بھی کم ہی لوگ ہیں جو ایمان لا کر شرک سے کلیتاً دستبردار ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام شرک کی ہر قسم سے بیزار رہے۔

[۷۱] قوم نوح کی طرف مبعوث تو نوح علیہ السلام ہوئے تھے لیکن یہاں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک ہی جیسی رہی ہے۔ لہٰذا ایک نبی کو جھٹلانا سب نبیوں کو جھٹلانے کے مترادف ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس قوم کے پاس نوح علیہ السلام سے پہلے کچھ نبی آئے ہوں۔ جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں موجود نہ ہو۔

[۷۲] اس آیت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کے ہاں سے جو وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے بلا کم و کاست تمہیں پہنچا رہا ہوں۔ اس میں نہ کچھ اضافہ کرتا ہوں نہ اس میں کمی کرتا ہوں جوں کی توں تم لوگوں کو پہنچا دیتا ہوں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ تو تم خود جانتے ہو کہ میں ایک راست باز اور امین انسان ہوں۔ کبھی کسی سے مکر و فریب یا ہیرا پھیری کی بات نہیں کہی۔ تو کیا اب میں اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں منسوب کروں گا؟

[۷۳] لہٰذا تمہیں میرے متعلق ہرگز کچھ بدگمانی نہ رکھنا چاہئے اور ایسی بدگمانی کرنے کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور مجھے اللہ تعالیٰ کا امانت دار پیغمبر سمجھ کر میری اطاعت کرنا چاہئے۔

[۷۴] دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ میں بالکل مخلص اور بے غرض ہو کر تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ نہ اس میں میرا کوئی ذاتی مفاد ہے اور نہ ہی تم سے کسی معاوضہ و اجرت کا مطالبہ کرتا ہوں۔ میں جو بات کہتا ہوں بالکل بے لوث ہو کر اور تمہاری بھلائی کی خاطر کہتا ہوں۔ پھر بھی تم میرے درپے آزار بنے ہوئے ہو۔ اس معاملہ میں بھی تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ

لہٰذا تم اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو۔(۱۱۰) وہ کہنے لگے: "کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ کمینے لوگوں[۷۵] نے تمہاری پیروی کی ہے۔(۱۱۱) نوح نے کہا: "میں کیا جانوں کہ وہ کیا کام کرتے ہیں۔(۱۱۲) ان کا حساب تو میرے پروردگار کے ذمہ[۷۶] ہے۔ کاش تم کچھ شعور رکھتے(۱۱۳) میں ایمان لانے والوں کو پرے ہٹانے[۷۷] والا نہیں۔(۱۱۴) میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔(۱۱۵)

کیونکہ ظلم وزیادتی کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوا کرتا۔ اور ایسے بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات مان لینا چاہئے۔

[۷۵] ❁ انبیاء کے اولین مخالف مترفین ہوتے ہیں:۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ ہر نبی کی دعوت کی مخالفت کرنے والے ہمیشہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن کا معاشرہ میں کچھ اثر ورسوخ ہوتا ہے۔ جنہیں عموماً چودھری، اشراف یا شیوخ کہا جاتا ہے اور قرآن ان کا ذکر ملأ اور مترفین کے الفاظ سے کرتا ہے۔ اور یہ لوگ انبیاء کی مخالفت محض اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں نبی پر ایمان لانے کی صورت میں مطاع کے بجائے مطیع بننا پڑتا ہے۔ لہٰذا ابتدا میں نبیوں پر ایمان وہی لوگ لاتے ہیں جن کا معاشرہ میں کچھ اثر ورسوخ نہیں ہوتا اور جنہیں یہ اشراف عموماً حقیر اور کمینہ مخلوق تصور کرتے ہیں۔

❁ مترفین کا قول کہ تمہارے ساتھی رذیل لوگ ہیں:۔ دوسری یہ بات کہ یہ اشراف اس بات میں اپنی ہتک اور توہین سمجھتے ہیں کہ ہم ایمان لا کر خود بھی اس حقیر اور کمینہ قسم کے لوگوں میں شامل ہو کر ان میں برابر کی سطح پر آجائیں۔ یعنی دوسری یہ چیز بھی ان کے ایمان لانے میں رکاوٹ کا سبب بن جاتی ہے اور اس طرح ان کی انا مجروح ہوتی ہے۔ چونکہ قریش مکہ بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے لہٰذا اس سوال وجواب میں بھی گویا انہی کا ذکر ہے۔ بلکہ ان کا تو رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ بھی ہوتا تھا کہ اس قسم کے لوگوں کو اگر آپ اپنی مجلس سے کسی وقت اٹھا دیں تو ہم آپ کی باتیں سننے کو تیار ہیں۔ (تفصیل کے لئے سورہ انعام کی آیت نمبر ۵۲ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے)

[۷۶] ان دو آیات کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مجھے اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ جو لوگ تمہاری نظروں میں کمینہ ہیں وہ کیا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ موچی ہیں یا جولاہے ہیں یا لوہار ہیں یا کمہار ہیں مجھے یہ معلوم کرنے سے کوئی مطلب نہیں۔ مجھے مطلب ہے تو صرف اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اور میرے ساتھی ہیں۔ باقی ان کا پیشہ کیا ہے یہ اللہ بہتر جانتا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میرے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ جو شخص میرے پاس آکر ایمان لاتا ہے اور میرے کہنے کے مطابق اس پر عمل کرنے لگتا ہے تو اس کی تہ میں کیا محرکات کام کر رہے ہیں۔ یہ اندازہ لگانا نہ میرا کام ہے نہ تمہارا بلکہ یہ اللہ کا کام ہے۔

[۷۷] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح کے چودھریوں نے سیدنا نوح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر تم ان رذیل اور کمینہ لوگوں کو اپنے ہاں سے اٹھا دو تو ہم آپ کے پاس بیٹھنے اور آپ کی باتیں غور سے سننے کو تیار ہیں۔ لیکن ان کی موجودگی میں ہمیں آپ کے پاس بیٹھنا گوارا نہیں۔ اس کے جواب میں نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو بڑی بے انصافی اور کم عقلی کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ
كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ
مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ

وہ کہنے لگے: "نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار[۷۸] کر دیا جائے گا۔(۱۱۶) تو نوح نے دعا کی: "پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔(۱۱۷) لہٰذا میرے اور ان کے درمیان قطعی فیصلہ کر دے۔ اور مجھے اور میرے ساتھی مومنوں کو ان سے نجات[۷۹] دے۔(۱۱۸) چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک بھری ہوئی کشتی میں (سوار کر کے) بچا لیا۔(۱۱۹) اور اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق[۸۰] کر دیا۔(۱۲۰) اس واقعہ میں (بھی) ایک نشانی[۸۱] ہے۔ مگر ان میں اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔(۱۲۱) اور یقیناً تمہارا پروردگار سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے(۱۲۲) قوم عاد[۸۲] نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔(۱۲۳) جبکہ ان کے بھائی ہود نے انہیں کہا تھا کہ

بات ہے کہ جو لوگ مجھ پر ایمان لائے ہیں، انہیں اپنے ہاں سے تمہاری خاطر دھکیل دوں جن کا بعد میں بھی ایمان لانے کا کچھ اعتبار نہیں۔ تم لوگ مجھ پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تمہیں اختیار ہے۔ اور میں نے تمہیں تمہارے انجام سے پوری طرح آگاہ کر دیا ہے۔ بہر حال میں کسی قیمت پر بھی پہلے سے ایمان والوں کو اپنے ہاں سے اٹھانے کو تیار نہیں۔

[۷۸] ۞ رَجَم کا لغوی مفہوم:۔ لفظ من المرجومین کے بھی دو مطلب ہیں۔ رجم کے معنی دور سے پتھر، کنکر وغیرہ پھینکنا اور جان سے مار ڈالنا یا سنگسار کرنا ہے اور یہی معنی ترجمہ میں مذکور ہیں۔ پھر یہ لفظ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اور رجیم اور مرجوم وہ شخص یا چیز ہے۔ جس پر لعنت اور پھٹکار پڑتی رہے۔ یعنی قوم نوح کے چودھریوں نے سیدنا نوح علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم اپنی دعوت و تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہر طرف سے تم پر لعنت اور پھٹکار پڑتی رہا کرے گی۔

[۷۹] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے سرداروں میں کوئی دو چار دفعہ ایسے مکالمے اور بحثیں ہوئی ہوں گی۔ لیکن واقعہ ایسا نہیں۔ پورے ساڑھے نو سو سال نوح علیہ السلام اور ان کی قوم میں ایسے مکالمے اور بحث و تکرار ہوتی رہی۔ اور جب سیدنا نوح علیہ السلام اس قوم میں سے کسی نئے فرد کے ایمان لانے سے قطعاً مایوس ہو گئے تو اس وقت آپ نے یہ دعا کی تھی۔ اس دعا کا تفصیلی ذکر سورہ نوح میں آئے گا۔

[۸۰] کشتی نوح اور طوفانِ نوح کا ذکر پہلے سورہ اعراف آیت ۶۴، سورہ یونس آیت نمبر ۷۱، ۷۳، سورہ ہود آیت نمبر ۳۸، ۴۳ میں گزر چکا ہے۔ متعلقہ حواشی ملاحظہ فرما لئے جائیں۔

[۸۱] یعنی سیدنا نوح کی قوم کے انجام سے بھی عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کر سکتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ حق کو ٹھکرانے والوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے اور اپنے انبیاء اور مومنوں کو ظالموں کے پنجہ سے نجات دلا کر انہیں باقی رکھتا ہے۔

[۸۲] قومِ نوح کے بعد جس قوم نے دنیا میں ناموری اور سربلندی حاصل کی وہ یہی قوم عاد تھی جسے عادِ اولیٰ بھی کہتے ہیں۔ یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ
اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ
لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیْ

"کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔" (۱۲۴) میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ (۱۲۵) یقیناً اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۱۲۶) میں تم سے اس (تبلیغ) کا کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (۱۲۷) یہ کیا بات ہے کہ تم ہر بلند جگہ پر بے فائدہ ایک یادگار تعمیر بنا ڈالتے ہو؟ (۱۲۸) اور عمارتیں اتنی شاندار بناتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ ان میں رہو گے۔ (۱۲۹) اور جب کسی [۸۳] پر ہاتھ ڈالتے ہو تو جبار بن کر ڈالتے ہو۔ (۱۳۰) لہٰذا اللہ [۸۴] سے ڈرو اور میرا حکم مانو (۱۳۱) اور اس ذات سے ڈرو جس نے

قوم اللہ تعالیٰ کی ہستی کی تو قائل تھی مگر شرک میں بری طرح مبتلا تھی۔ ان کا اصل وطن احقاف تھا۔ یہ قوم بڑی قد آور، مضبوط اور سرکش تھی۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اس قوم کا زمانہ عروج اڑھائی ہزار سال قبل مسیح کے لگ بھگ ہے۔

[۸۳] ۞ یادگاریں تعمیر کرنا قوم عاد کا طریقہ اور عبث کام ہے: اس قوم کے تین افعال کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا جن میں سے پہلے دو فن تعمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ لوگ یادگاریں بہت زیادہ تعمیر کرتے جن کا عملی طور پر کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ کسی نے اپنی یادگار میں شاندار مقبرہ تعمیر کرالیا۔ کسی نے کوئی اونچا مینار بنایا۔ تو کسی نے کوئی بارہ دری تعمیر کرادی۔ جیسے اہرام مصر ہیں یا روضہ تاج محل اور اسی طرح کی دوسری یادگاریں آج کل بھی پائی جاتی ہیں اور ان سے مقصود صرف ناموری یا نمود و نمائش ہوتا تھا۔ ﴿تعبثون﴾ سے بعض لوگوں نے مراد کھیل تماشا ہی لیا ہے۔ یعنی وہ ایسی بلند عمارتوں کے اوپر چڑھ کر کبوتر بازی اور پرندوں وغیرہ کا شکار بھی کیا کرتے تھے۔ دوسرا قابل ذکر فعل یہ ہے کہ وہ اپنے رہائشی گھر بھی بہت اونچے، شاندار اور مضبوط بناتے تھے فلک بوس عمارتیں کھڑی کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ان کی ضرورت بھی تھی۔ ان کے قد بھی بہت لمبے ہوتے تھے اور عمریں بھی بہت دراز ہوتی تھیں اور اگر وہ معمولی قسم کا میٹریل عمارتوں میں استعمال کرتے وہ میٹریل ان کی زندگی میں ساتھ نہیں دیتا تھا اس صورت میں ہر شخص کو اپنی زندگی میں کئی بار مکان بنانے کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ قرآن نے ان کی اس عادت پر سخت نکیر فرمائی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکانوں کی تعمیر میں مضبوطی اور بلندی میں بہت مبالغہ سے کام لیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ شائد ازل تا ابد انہیں ان مکانات میں رہنا ہے۔ جب یہ قوم اللہ کے عذاب سے تباہ ہوئی تو بعد میں ان کی یہ مضبوط عمارتیں بھی کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں اور آج وہ کھنڈرات بھی معدوم ہو چکے ہیں۔

ان لوگوں کی آسودہ حالی، عالیشان عمارات، اور جسمانی مضبوطی اور توانائی نے انتہائی متکبر بنا دیا تھا۔ انصاف اور نرمی کا برتاؤ ان کی سرشت سے معدوم ہو چکا تھا۔ وہ دوسروں کے حقوق غصب کرنے میں بہت دلیر اور جری تھے۔ اپنے معاشرہ کے کمزور اور ضعیف طبقہ پر بھی ظلم و ستم ڈھاتے تھے اور آس پاس کے علاقوں میں بھی ان کا رویہ جابرانہ اور قاہرانہ ہوتا تھا۔

[۸۴] ہود علیہ السلام نے شرک کے انجام سے ڈرایا اور ان تینوں قسم کے کاموں کی قباحت بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُن مِّنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾

تمہیں وہ سب کچھ دیا ہے جو تم جانتے[۸۴۔الف] ہو(۱۳۲) اس نے تمہیں چوپائے، بیٹے، باغات اور چشمے عطا کئے ہیں(۱۳۴) مجھے تو تمہارے حق میں ایک بڑے دن کے عذاب[۸۵] کا خطرہ ہے۔(۱۳۵) وہ کہنے لگے: ہمیں تو ایسا وعظ کریانہ کرو، ہمیں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔(۱۳۶) ایسی باتیں تو یوں ہی ہوتی[۸۶] چلی آئی ہیں۔(۱۳۷)

ڈرتے ہوئے زندگی گزارنے کا طرز عمل سیکھو اور خوب سمجھ لو کہ تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا کبھی میسر نہ آئے گا۔ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور تمہارے ان تمام افعال و اعمال کی تم سے باز پرس بھی ہوگی۔ لہذا تمہارے لئے بہترین راستہ یہ ہے کہ میری بات مان لو اور جس طرح میں کہہ رہا ہوں اسی طرح کرتے جاؤ۔

[۸۴۔الف] بعض حضرات نے اس جملہ میں ما کو نافیہ قرار دیا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے کہ اس ذات سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کا تمہیں علم نہیں۔ یعنی تم ان چیزوں کو اللہ کی امداد سمجھتے ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اگلی دو آیات میں ان نعمتوں کا ذکر خود ہی کر دیا ہے۔

[۸۵] پھر ہود علیہ السلام نے ان پر اللہ تعالیٰ کے ایک ایک انعام کا ذکر کیا اور فرمایا کہ تمہیں چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ کے انعامات کا شکریہ بجالاتے اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ بناتے اور اس کے فرمانبردار بندے بن جاتے۔ لیکن تم نے اس کے بجائے فساد پھیلا رکھا ہے۔ لہذا اللہ کی گرفت اس کے عذاب سے ڈر جاؤ جو روش تم نے اختیار کر رکھی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تم پر اللہ کا عذاب آ کے رہے گا۔

﴿عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ سے مراد وہ دن بھی ہو سکتا ہے جس دن اس قوم پر عذاب نازل ہوا تھا اور قیامت کے دن کا عذاب بھی اور دونوں قسم کے عذاب بھی۔

[۸۶] اس نصیحت کے جواب میں یہ سرکش قوم کہنے لگی کہ ایسی باتیں تو ہم پہلے بھی سنتے چلے آئے ہیں۔ کچھ لوگ نبی بن کر ایسی باتیں کیا کرتے ہیں کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے گا اور مرنے جینے کا سلسلہ ان سے پہلے بھی چلتا تھا۔ بعد میں بھی چلتا رہا ہے اور آئندہ بھی چلتا رہے گا۔ لہذا تمہاری ایسی نصیحتیں ہمارے لئے بے کار ہیں۔ نہ ہم ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

۞ بنیاد پرستی کیا ہے؟ امام بخاری نے ﴿خُلُقُ الْأَوَّلِينَ﴾ میں خلق سے دین مراد لیا ہے۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر۔ زیر تفسیر سورۂ روم) اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ تو پرانے لوگوں کا مذہب ہے۔ پرانے لوگ ایسی باتیں کیا کرتے تھے۔ مگر اب ایسے اولڈ فیشن لوگوں کا زمانہ لد چکا۔ موجودہ دور میں ایسے لوگوں کے لئے بنیاد پرست (Fundamental) کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے عقیدہ و عمل میں اپنے نبی کی تعلیم پر سختی سے عمل پیرا ہوں اور نئی روشنی یا نئی تہذیب کو پرانی جہالت سمجھتے ہوں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

اور ہم پر کچھ عذاب نہیں آنے کا۔(۱۳۸) چنانچہ انہوں نے ہود کو جھٹلا دیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا[۸۷]۔ اس واقعہ میں بھی ایک نشانی[۸۸] ہے لیکن ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔(۱۳۹) اور یقیناً آپ کا پروردگار سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔(۱۴۰) قوم ثمود[۸۹] نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔(۱۴۱) جبکہ ان کے بھائی صالح نے انہیں کہا تھا: "کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں؟(۱۴۲) میں یقیناً تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔(۱۴۳) لہٰذا اللہ سے ڈرو[۹۰] اور میری اطاعت کرو(۱۴۴) میں تم سے اس کام کا کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے

[۸۷] ۞ قوم عاد پر عذاب کی کیفیت: جب ان لوگوں نے سیدنا ہود علیہ السلام کو اور وعدہ عذاب کو جھٹلانے میں حد کر دی اور ان پر حجت تمام ہو گئی تو ان پر اللہ کا عذاب آ گیا۔ یہ عذاب قہر الٰہی بن کر نازل ہوا۔ تند و تیز آندھی چلی جو آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی۔ آندھی اتنی تیز تھی کہ کھڑے آدمیوں کو ان کے پاؤں سے اکھاڑ اکھاڑ کر ایک دوسرے پر پھینک رہی تھی۔ یہ آندھی ان کے مضبوط اور عالی شان گھروں میں گھس گھس کر ان کے ایک ایک فرد کو تباہ کر رہی تھی۔ اس عذاب کے وقت ان کے یہ مضبوط اور عالی شان مکان کسی بھی کام نہ آ سکے۔ اور یہ سرکش اور متکبر قوم پوری کی پوری تباہ و برباد کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے پہلے ہی ہود علیہ السلام کو وحی کر دی تھی۔ چنانچہ وہ عذاب سے پہلے اپنے پیروکاروں کو ساتھ لے کر وہاں سے ہجرت کر کے نکل گئے۔

[۸۸] اس قوم کے انجام سے بھی یہی نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ معاندینِ حق کو اتمام حجت کے بعد نیست و نابود کر دیتا ہے اور اپنے فرمانبرداروں کی نجات کی صورت خود ہی پیدا کر دیتا ہے۔ کاش! کوئی اس عبرت ناک انجام سے سبق حاصل کر سکے۔ مگر ایسے لوگ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

[۸۹] ۞ قوم ثمود کا مسکن اور خصائل:۔ قوم عاد اولیٰ کے بعد یہی قوم ثمود، جسے عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں، نامور ہوئی۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قوم موسیٰ کا ذکر فرمایا، پھر قوم ابراہیم کا، پھر قوم نوح کا، پھر قوم عاد اولیٰ کا اور پانچویں نمبر پر قوم عاد ثانیہ کا ذکر ہے۔ اس قوم کے مسکن کو الحجر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تین چار سو کلو میٹر لمبا اور تقریباً سو کلو میٹر چوڑا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے اور اس راستہ پر واقع ہے جو مدینہ سے تبوک جاتا ہے۔ اس قوم کے رنگ ڈھنگ تقریباً وہی تھے جو عاد اولیٰ کے تھے۔ اسی طرح کے تنومند، قد آور اور مضبوط جسموں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل ضرور تھے مگر شرک کے امراض میں بری طرح مبتلا تھے۔ بڑی متکبر اور سرکش قوم تھی۔ ان کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اعلیٰ درجہ کے انجینئر اور بہترین قسم کے سنگ تراش تھے۔ وہ اپنے فن کا مظاہرہ یوں کرتے کہ پہاڑوں میں پتھر تراش تراش کر اپنے عالی شان مکان بنا لیتے تھے۔ اسی طرح پہاڑوں کے اندر ہی اندر انہوں نے بستیوں کی بستیاں آباد کر رکھی تھیں۔

[۹۰] ۞ سیدنا صالح علیہ السلام کا شجرہ نسب:۔ قوم ثمود کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی قوم کے ایک فرد سیدنا صالح علیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۲۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾
وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

ذمہ ہے۔(۱۲۵) کیا تم یہاں کے سامان (عیش و عشرت) میں امن[۹۱] سے رہنے کے لئے چھوڑ دیئے جاؤ گے؟(۱۲۶) ان باغات میں اور ان چشموں میں(۱۲۷) اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے خوشے بہت ملائم ہیں؟(۱۲۸) اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر فخریہ ان میں گھر بناتے ہو۔(۱۲۹) سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۳۰) اور حد سے آگے گزرنے والوں کی بات[۹۲] نہ مانو(۱۳۱)

السلام کو مبعوث فرمایا۔ ثمود اس قوم کے جد اعلیٰ کا نام تھا اور صالح علیہ السلام کا شجرہ نسب یوں چلتا ہے۔ صالح بن عبید بن آصف بن ماشج بن عبید بن یاور بن ثمود۔ اس لحاظ سے یہ اپنی قوم کے بھائی ہوئے۔

انبیاء کی دعوت کا آغاز ہمیشہ توحید سے ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم کو اللہ کے احسانات یاد دلاتا ہے۔ ایسے احسانات جسے سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اللہ ہی کے احسانات ہیں۔ پھر قوم کو دعوتِ فکر دی جاتی ہے کہ جب انعامات و احسانات کی بارش کرنے والا صرف اللہ ہے تو تم اس کی بندگی میں دوسروں کو کیوں اس کا شریک بناتے ہو۔ اور اگر قوم پیغمبر کی بات پر توجہ نہ دے یا اس کی دعوت کی مخالفت پر اتر آئے تو وہ انہیں اللہ کی گرفت اور عذاب سے ڈراتا ہے۔ یہی کام صالح علیہ السلام نے بھی اسی انداز پر سرانجام دیا۔

[۹۱] ❁ سیدنا صالح علیہ السلام کی اپنی قوم کو تبلیغ:۔ قوم ثمود کا یہ علاقہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع تھا۔ وادیاں زرخیز تھیں۔ جا بجا میٹھے پانی کے چشمے موجود تھے۔ کھیتیاں اور باغات بکثرت تھے جن میں طرح طرح کے پھل اور اعلیٰ قسم کی کھجور پیدا ہوتی تھی۔ اور پہاڑوں کو تراش کر جو وہ مکان بناتے تھے تو وہ محض ضرورت رہائش پوری کرنے کے لئے نہیں بناتے تھے بلکہ خوبصورت سے خوبصورت اور اعلیٰ سے اعلیٰ مکان بنانے میں ہر کوئی ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا تھا اور اس سے ان کا مقصد اپنے ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت کا مظاہرہ کرنا ہوتا تھا۔ سیدنا صالح علیہ السلام نے ان سے پوچھا، تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی جو اس قدر دنیا پر ریجھ گئے ہو اور اپنے پروردگار کو بالکل فراموش کر دیا ہے؟ اللہ نے اگر تمہیں یہ نعمتیں دی ہیں تو اس کی ناشکری کی بنا پر وہ تم سے چھین بھی سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کی گرفت سے ڈرتے رہو اور اگر انجام بخیر چاہتے ہو تو میرے بتائے ہوئے راستہ پر عمل کرو۔

[۹۲] سیدنا صالح علیہ السلام کا یہ خطاب نچلے طبقہ کے لوگوں سے تھا جو تعداد میں زیادہ مگر چودھری ٹائپ لوگوں کے زیر نگیں ہوتے ہیں اور عموماً یہی لوگ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر توجہ دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ چودھریوں کے مظالم سے تنگ آئے ہوتے ہیں۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ اپنے ان چودھریوں اور رئیسوں کی اطاعت چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ مُسرف لوگ ہیں جو اخلاق کی ساری حدیں پھلانگ کر شتر بے مہار بن چکے ہیں۔ ان کے ہاتھوں خیر اور بھلائی یا معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کبھی نہیں ہو سکتی۔ تمہارے لئے ان لوگوں سے نجات حاصل کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اپنے اندر اللہ کا خوف اور تقویٰ پیدا کرو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا ۙ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

جو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے۔(۱۵۲) وہ کہنے لگے: ”تم تو ایک سحر زدہ[۹۳] آدمی ہو(۱۵۳) تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ۔(۱۵۴) صالح نے کہا: ”نشانی یہ اونٹنی[۹۴] ہے ایک دن اس اونٹنی کے ۔ پانی پینے کے لئے مقرر ہے اور ایک دن تم سب کے لئے(۱۵۵)

اور ان کی اطاعت کے بجائے میری اطاعت کرو۔ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے ہی تمہاری اخلاقی، تمدنی اور سیاسی اصلاح ممکن ہے۔

[۹۳] سیدنا صالح علیہ السلام کی دعوت پر جب چند کمزور قسم کے لوگ ایمان لے آئے۔ تو چودھری لوگ سیدنا صالح علیہ السلام کا مذاق اڑانے لگے کہ ان لوگوں کے سہارے تم انقلاب لانا چاہتے ہو؟ کیا تمہاری عقل تو جواب نہیں دے گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔ پھر جب صالح علیہ السلام کے پیروکاروں میں کچھ مزید اضافہ ہو گیا۔ تو چودھریوں کو کچھ فکر لاحق ہونے لگی اور ان کا اندازِ کلام بھی بدل گیا۔ کہنے لگے: تم بھی ہمارے ہی جیسے آدمی ہو آخر تم میں وہ کون سی زائد خوبی ہے کہ ہم تجھے اللہ کا رسول تسلیم کر لیں۔ ہاں اگر تم واقعی اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔

[۹۴] ❁ قوم ثمود کا سیدنا صالح علیہ السلام سے حسی معجزہ کا مطالبہ:۔ صالح علیہ السلام نے ان سے پوچھا: کونسی نشانی چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ سامنے والا پہاڑ پھٹے اور اس میں سے ایک حاملہ اونٹنی برآمد ہو۔ پھر وہ حاملہ اونٹنی ہمارے سامنے بچہ جنے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا۔ پہاڑ پھٹا جس سے ایک عظیم الجثہ اور دیو ہیکل اونٹنی پیدا ہوئی۔ جس نے ان لوگوں کے سامنے بچہ جنا۔ جب قوم کا مطلوبہ معجزہ ظہور میں آگیا تو یہ ان لوگوں کے لئے ایک مصیبت بن گیا۔ کیونکہ اونٹنی اگر کسی کنوئیں یا چشمے پر پانی پینے جاتی تو قوم کے دوسرے جانور اس اونٹنی کے قد و قامت اور ڈیل ڈول سے ڈر کر بھاگ جاتے تھے۔

[۹۵] ❁ اونٹنی کے پانی پینے کی باری قوم نے کیوں تسلیم کی؟ عرب جیسے بے آب و گیاہ ملک میں پانی کی ہمیشہ کمی ہی رہی ہے اور پانی کا مسئلہ نہایت اہم مسئلہ تھا۔ لہٰذا صالح علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک دن صرف یہ اللہ کی اونٹنی فلاں کنوئیں سے پانی پیا کرے گی۔ اس دن قوم کے جانور پانی پینے کے لئے ادھر نہ جائیں اور دوسرے دن قوم کے جانور پانی پیا کریں گے اور اونٹنی ادھر نہیں جائے گی۔ صالح علیہ السلام کا یہ فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق تھا۔ جسے قوم نے تسلیم کر لیا۔ مگر اس تسلیم کے پیچھے ان کی اپنی رضا کو کچھ دخل نہ تھا۔ بلکہ وہ یہ فیصلہ تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ اور اس کی دو وجوہ تھیں ایک یہ کہ فیصلہ کے ساتھ ہی صالح علیہ السلام نے یہ وارننگ بھی دے دی تھی کہ اگر تم لوگوں نے اس اونٹنی کو کوئی دکھ پہنچایا یا اس کے آزادی سے چرنے چگنے اور پانی پینے میں حائل ہوئے تو تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا اور دوسرے یہ کہ یہ اونٹنی کا معجزہ دیکھنے کے بعد انہیں یہ یقین ہو چکا تھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ
الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع ۸ ۱۲

اسے کوئی دکھ نہ پہنچانا ورنہ ایک بڑے دن[۹۵] کا عذاب تمہیں آلے گا۔(۱۵۶) مگر ان لوگوں[۹۶] نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر (عذاب کے ڈر سے) لگے پچھتانے(۱۵۷) آخر عذاب نے انہیں آلیا[۹۷]۔ اس واقعہ میں بھی ایک نشانی[۹۸] ہے مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔(۱۵۸) بلاشبہ آپ کا پروردگار ہی سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔(۱۵۹)

کہ صالح علیہ السلام واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ لہٰذا وہ ان پر ایمان نہ لانے کے باوجود ان کی تنبیہ سے خائف تھے۔

[۹۶] لیکن یہ لوگ زیادہ مدت تک اس پابندی کو برداشت نہ کر سکے۔ چوری چھپے باتیں کرتے اور دل ہی دل میں اس پابندی سے کڑھتے رہتے تھے۔ پھر جب ان کے ایمان نہ لانے پر بھی اللہ کا عذاب نہ آیا تو وہ کچھ دلیر ہو گئے۔ ان میں ایک بدکار عورت تھی جس کے بہت سے مویشی تھے اور خاصی مالدار تھی۔ اس نے اپنے آشنا کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس اونٹنی کا قصہ پاک کر دے۔ چنانچہ اب اونٹنی کو مار ڈالنے کے سلسلہ میں خفیہ مشورہ ہونے لگے۔ مویشیوں کے لئے پانی اور چارے کے آدھا رہ جانے کی وجہ سے سب لوگ ہی اس اونٹنی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ لہٰذا سب نے ہاں میں ہاں ملا دی۔ چنانچہ وہی بدبخت زانی اس کام کے لئے تیار ہو گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا اور اس شخص کا ذکر کیا جس نے اونٹنی کو زخمی کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ شخص اپنی قوم میں سب سے زیادہ بدبخت تھا۔ وہ ایک زور آور، شریر اور مضبوط شخص تھا جو اپنی قوم میں ابوزمعہ (زبیر بن عوام کا چچا) کی طرح تھا اور اس کا نام قدار تھا" (بخاری۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ الشمس)

[۹۷] سیدنا صالح علیہ السلام پر قاتلانہ حملہ کی سازش:۔ اس بدبخت نے اونٹنی کی کونچیں (پاؤں کی رگیں) تلوار وغیرہ کے حملہ کر کے کاٹ ڈالیں۔ اونٹنی نے ایک زور کی چیخ ماری اور اسی پہاڑ میں جا کر غائب ہو گئی۔ اسی طرح اس کا بچہ بھی اسی پہاڑ میں جا کر غائب ہو گیا۔ اب ان لوگوں کو عذاب کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ جب حالات تشویشناک ہو جائیں تو عموماً انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ اور وہ الٹا سوچنے لگتی ہے۔ چنانچہ ان بدبختوں نے سیدنا صالح علیہ السلام کو بھی ٹھکانے لگانے کے لئے خفیہ مشورے شروع کر دیئے۔ ان کی عقل نے یہی کام کیا کہ اگر صالح علیہ السلام بھی نہ رہے تو شائد عذاب نہیں آئے گا ان حالات کا صالح علیہ السلام کو علم ہو گیا تو آپ نے انہیں بحکم الٰہی تین دن کا الٹی میٹم دے دیا کہ تین دن مزے اڑا لو۔ بعد میں تم پر عذاب آ جائے گا۔ (۱۱:۶۵)

سیدنا صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی کل تعداد ایک سو بیس تھی۔ آپ انہیں ساتھ لے کر المدائن کی طرف ہجرت کر گئے اور رملہ کے قریب جا کر آباد ہو گئے۔ اسی مقام پر سیدنا صالح علیہ السلام نے وفات پائی۔

[۹۸] قوم ثمود پر زلزلہ اور صاعقہ کا عذاب:۔ اس قوم پر زبردست زلزلے کا عذاب آیا۔ جس نے پہاڑوں تک جڑیں ہلا دیں۔ ان میں شگاف پڑ گئے اور پتھر پر پتھر گرنے لگے جس سے ان کے بیشتر مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے اس دوران بڑی خوفناک اور کانوں کو پھاڑنے والی آوازیں بھی نکلتی تھیں۔ چنانچہ اس دوہرے عذاب سے یہ بدبخت قوم صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ
الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾
قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي

لوط کی قوم نے (بھی) رسولوں[۹۹] کو جھٹلایا تھا۔(۱۶۰) جبکہ انہیں ان کے بھائی لوط نے کہا تھا کہ "تم کیا اللہ سے ڈرتے نہیں؟(۱۶۱) یقیناً میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔(۱۶۲) لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو۔(۱۶۳) اور میں اس (تبلیغ) کا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔(۱۶۴) کیا تم اہل عالم میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو؟(۱۶۵) اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہو، بلکہ تم لوگ تو حد (انسانیت) سے آگے نکل گئے ہو"(۱۶۶) وہ کہنے لگے: "اے لوط! تم اگر ان باتوں سے باز نہ آئے تو تمہیں جلاوطن[۱۰۰] کر دیا جائے گا۔(۱۶۷) اس نے کہا: میں تمہارے اس کام سے سخت بیزار ہوں۔(۱۶۸) پھر (دعا کی)

قوم ثمود کی تباہی بھی اللہ کی سنت کے عین مطابق واقع ہوئی۔ اور اس میں بھی عبرت کے کئی اسباب پوشیدہ ہیں۔ کاش! یہ لوگ اس واقعہ سے ہی سبق حاصل کریں۔ مگر ان لوگوں کی اکثریت ایسی ہی ہے جو ایمان لانے کی طرف نہیں آتی۔

[۹۹] لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن کو خیرباد کہا تو اس وقت صرف یہی ایک فرد آپ پر ایمان لایا تھا اور آپ کے ہمراہ فلسطین کی طرف ہجرت کی تھی۔ یہیں آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو شرق اردن کی طرف روانہ کر دیا۔ آپ کی تبلیغ کا مرکز سدوم اور اس کے اردگرد کا علاقہ اور عمورہ کی بستیاں تھیں۔ آپ کی قوم مشرک اور دوسری بداخلاقیوں کے علاوہ لواطت میں گرفتار بلکہ اس بدفعلی کی موجد تھی۔ ان لوگوں پر بھی خاندانی منصوبہ بندی کا بھوت سوار تھا۔ اسی لئے شہوت رانی کے فطری طریق کو چھوڑ کر لونڈے بازی کا فعل شروع کیا پھر یہ لوگ اپنی غیر فطری روش پر نادم نہیں تھے۔ نہ ہی اسے گناہ سمجھتے تھے۔ بلکہ عقلی لحاظ سے اس کے بہت فوائد بتاتے تھے۔

[۱۰۰] قوم کی سیدنا لوط علیہ السلام پر پابندی اور جلاوطنی کی دھمکی:۔ لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور ان کی بدفعلیوں کے برے انجام سے ڈرایا تو انہوں نے سیدنا لوط علیہ السلام کی بات ماننے کے بجائے الٹا ان پر کئی طرح کی پابندیاں لگا دیں۔ مثلاً اگر تم اس بستی میں رہنا چاہتے ہو تو ہمارے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دو۔ دوسرے یہ کہ اپنے ہاں مہمانوں کو یا مسافروں کو پناہ نہ دیا کرو۔ ورنہ ہم تمہارا کچھ لحاظ نہیں کریں گے اور تمہارے مہمانوں یا مسافروں سے وہی سلوک کریں گے جو ہم کرنا چاہتے ہیں (یہ بدبخت قوم مسافروں یا مہمانوں تک کو بھی نہیں چھوڑتی تھی، پہلے ان سے لواطت کرتی۔ پھر ان سے مال اسباب اور نقدی وغیرہ چھین کر انہیں دھکے دے کر اپنی بستی سے باہر نکال دیتی تھی) اور اگر تمہیں ہماری یہ شرائط منظور نہ ہوں تو ہم تمہیں اپنے علاقہ سے نکال دیں گے۔ تمہارے جیسے پاکبازوں کی ہماری بستی میں رہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا ع ۱۲

پروردگار! جو کام یہ لوگ کر رہے ہیں اس سے مجھے اور میرے گھر والوں[۱۰۱] کو نجات دے۔(۱۶۹)

چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے سب اہلِ خانہ کو نجات دی۔(۱۷۰) بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے[۱۰۲] رہ جانے والوں میں شامل تھی۔(۱۷۱) پھر باقی ماندہ لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔(۱۷۲) اور ہم نے ان پر ایک (خاص) بارش برسائی۔ کتنی بری تھی وہ بارش جو ڈرائے جانے والے لوگوں پر برسائی[۱۰۳] گئی۔(۱۷۳) اس واقعہ میں (بھی) ایک نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔(۱۷۴) اور یقیناً آپ کا پروردگار سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔(۱۷۵)

اصحاب الایکہ[۱۰۴] (اصحابِ مدین) نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا۔(۱۷۶) جبکہ ان سے شعیب[۱۰۵] نے کہا: کیا

[۱۰۱] سیدنا لوط علیہ السلام اور آپ کے معدودے چند پیروکار اس اوباش اور گندے قسم کے معاشرے سے سخت بیزار تھے۔ جب لوط علیہ السلام ان لوگوں کے راہ راست پر آنے سے مایوس ہو گئے اور ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی تو اس وقت آپ نے سخت اضطراب کے عالم میں اللہ سے دعا کی کہ ہم اب زیادہ دیر اس اوباش سوسائٹی میں نہیں رہ سکتے لہٰذا ان لوگوں سے ہماری نجات کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔

[۱۰۲] ۞ سیدنا لوط علیہ السلام کی بیوی کا کردار:۔ سیدنا لوط علیہ السلام کی بیوی بھی در پردہ ان اوباشوں سے ملی ہوئی تھی۔ جب کوئی مہمان آپ کے گھر آتا تو یہ ان اوباشوں کو اشاروں کنایوں سے خفیہ طور پر رپورٹیں دیا کرتی تھی۔ چنانچہ جب اس قوم پر عذاب لانے والے فرشتے سیدنا لوط علیہ السلام کے ہاں خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تشریف لائے تو اسی بڑھیا کی رپورٹ پر آس پاس کے اوباش ہمسائے بری نیت سے آپ کے گھر میں گھس آئے تھے۔ لہٰذا یہ عورت کسی لحاظ سے بھی نجات کی مستحق نہ تھی۔

[۱۰۳] اس بدبخت قوم پر جس طرح عذاب آیا اس کی تفصیلات پہلے سورہ اعراف آیت نمبر ۸۴ سورہ توبہ آیت نمبر ۷۰، سورہ ہود آیت نمبر ۸۳، سورہ حجر آیت نمبر ۷۳ میں گزر چکی ہیں۔ ان کے حواشی ملاحظہ کر لئے جائیں۔

[۱۰۴] ۞ اصحاب الایکہ کون لوگ تھے؟ اس میں مفسرین کا خاصا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اصحاب الایکہ اور اصحاب مدین دونوں ایک ہی قوم کے نام ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایکہ ایک درخت کا نام تھا جس کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ اسی نسبت سے انہیں اصحاب الایکہ کہا گیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں کی بستی اور علاقہ اصحاب مدین سے الگ ہے۔ اصحاب الایکہ کا معنی بن والے یعنی یہ بستی ایک لمبی سی بلند جگہ پر آباد تھی۔ جہاں باغات کے جھنڈ بکثرت تھے اور شعیب علیہ السلام ان دونوں علاقوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

[۱۰۵] یہ وہی شعیب علیہ السلام ہیں جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سسر تھے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ہاں آٹھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ
اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ
الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیْ
خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ

تم ڈرتے نہیں؟(۱۷۷) میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔(۱۷۸) لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو(۱۷۹) میں تم سے اس (تبلیغ) کا کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔(۱۸۰) ناپ[۱۰۶] پورا دیا کرو اور لوگوں کو گھاٹا نہ دیا کرو۔(۱۸۱) اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔(۱۸۲) اور لوگوں کو ان کی اشیاء کم نہ دیا کرو اور زمین میں فساد[۱۰۷] نہ مچاتے پھرو۔(۱۸۳) اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی۔(۱۸۴) وہ کہنے لگے: "تم تو ایک جادو[۱۰۸] کے مارے ہوئے آدمی ہو(۱۸۵) اور ہم جیسے ہی ایک انسان ہو اور ہم

دس سال تربیت حاصل کی تھی۔ پانچویں نسبت پر سیدنا یعقوب علیہ السلام سے جا ملتے ہیں۔ شجرہ نسب یہ ہے شعیب بن میکیل بن یشجر بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔

[۱۰۶] سیدنا شعیب کی قوم لین دین میں ہیرا پھیری کی مرتکب تھی:۔ سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم دو تجارتی شاہراہوں کے تقاطع یا چوک پر آباد تھی۔ لہٰذا یہ پورے کا پورا علاقہ بڑا بھاری تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ شرک اور دوسری اخلاقی برائیوں کے علاوہ ان میں جو سب سے بڑا مرض تھا وہ تجارتی ہیرا پھیری کرنا تھا۔ ناپ تول میں ایسے استاد تھے کہ بھلے بھلوں کے کان کتر دیتے تھے۔ تولتے اس طرح تھے کہ گاہک خواہ سو دفعہ ترازو دیکھتا رہے یہ اس کے دیکھتے دیکھتے ہی تیسرا یا چوتھا حصہ اس کا حق مار جاتے اور جب تول کر یا ناپ کر دینا پڑتا تو ایسی ہی ہاتھ کی صفائی دکھاتے تھے۔

[۱۰۷] یہ لوگ صرف ناپ اور تول میں ہی کمی بیشی نہ کرتے تھے بلکہ تجارتی بددیانتیوں کے سارے اسرار و رموز اور فریب کاریوں سے واقف تھے۔ عیب دار مال کا عیب چھپا کر فروخت کرنا، جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنا، ایسا ماحول پیدا کر دینا کہ چیز کا مالک کم سے کم قیمت پر اپنی چیز فروخت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اسی طرح اپنی چیز فروخت کرنے کے لئے ایسا ماحول بنا دینا کہ وہ زیادہ سے زیادہ رقم دینے پر مجبور ہو جائے۔ غرض ہر طریقہ جس سے دوسروں کے حقوق غصب کئے جا سکتے ہوں وہ جانتے تھے۔ اور یہی وہ فساد فی الارض یا شریفانہ قسم کی ڈاکہ زنی ہے۔ جس سے شعیب علیہ السلام نے انہیں منع کیا تھا۔ اور انہیں یہ نصیحت فرمائی تھی کہ میرے خیال کے مطابق تو تم سب اچھے بھلے کھاتے پیتے لوگ ہو۔ لہٰذا اگر ایسی بددیانتیاں چھوڑ دو اور حلال طریقے سے روزی کماؤ تو تمہارے گزارے کے لئے حلال کا رزق بھی بہت کافی ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ سے ڈر جاؤ اور لوگوں کے حقوق غصب کرنا چھوڑ دو۔

[۱۰۸] قوم کا سیدنا شعیب علیہ السلام کو مجنون اور بشر کہہ کر جھٹلا دینا۔ اس کے جواب میں قوم نے کہا۔ تمہاری عقل ٹھیک کام نہیں کرتی۔ تم تجارت کے گر اور راز کیا جانو۔ اگر ہم تمہاری باتوں پر لگ جائیں تو چند ہی دنوں میں اس میدان میں مات کھا جائیں اور سرمایہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تَظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ
اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ ع ۱۲

تو تمہیں جھوٹا ہی خیال کرتے ہیں۔(۱۸۶) اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دو۔(۱۸۷) شعیب نے کہا: ''جو کچھ تم کرتے ہو[۱۰۹] میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے۔(۱۸۸) چنانچہ انہوں نے شعیب کو جھٹلا دیا تو سایہ والے دن کے عذاب نے انہیں آپکڑا۔ بلا شبہ وہ بڑے سخت[۱۱۰] دن کا عذاب تھا۔(۱۸۹) اس واقعہ میں (بھی) ایک نشانی[۱۱۱] ہے، مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔(۱۹۰) اور آپ کا پروردگار یقیناً سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔(۱۹۱) بلا شبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔(۱۹۲)

بھی ہاتھ سے گنوا بیٹھیں کیونکہ مقابلہ بڑا سخت ہے۔ اور ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تمہارا یہ نبوت کا دعویٰ بھی بس ایک فریب ہی ہے۔ تم بھی ہمارے جیسے ایک محتاج انسان ہی ہو۔ تم میں ہم سے زائد کونسی خصوصیت ہے کہ ہم تمہیں نبی سمجھ لیں۔ اگر تم اپنے آپ کو اپنے اس دعویٰ نبوت میں سچا سمجھتے ہو کہ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے دھمکاتے رہتے ہو وہ عذاب ہم پر لے آؤ۔ اور آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی ہم پر گرا دو۔

واضح رہے کہ قریش مکہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کے عذاب کا مطالبہ کیا تھا جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۲ میں گزر چکا ہے۔ اور کفارِ مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے بھی ایک قوم ایسے عذاب کا مطالبہ کر چکی ہے۔ پھر جو حشر اس قوم کا ہوا تھا وہی یا اس سے ملتا جلتا تمہارا بھی ہونے والا ہے۔

[۱۰۹] ﴿ سیدنا شعیب علیہ السلام کا انتباہ:۔ یعنی عذاب نازل کرنا یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دینا میرا کام نہیں۔ میرا پروردگار تمہاری کرتوتوں کو دیکھ رہا ہے۔ جب تمہارے گناہوں کا ڈول بھر جائے گا یا جب وہ مناسب موقع سمجھے گا تم پر عذاب نازل کر دے گا میں تو تمہیں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ جو لوگ اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اللہ کا طریقہ یہی ہے کہ ان پر عذاب بھیج کر انہیں تباہ کر دے۔

[۱۱۰] اس آیت سے چند باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک یہ کہ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ دو الگ الگ قومیں تھیں۔ اصحاب مدین پر زلزلہ اور اس سے پیدا ہونے والی ہولناک آواز کا عذاب آیا تھا (۷: ۹۱، ۱۱: ۹۴) جبکہ اصحاب الایکہ پر سائے کے دن کا عذاب آیا تھا اگرچہ اس عذاب کی تفصیل کتاب و سنت میں کہیں مذکور نہیں تاہم اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عذاب کی الگ نوع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سخت گہرے اور گاڑھے بادل ان پر چھتری کی صورت میں محیط ہو گئے تھے۔ اور اس کے تادیر ان پر سایہ کئے رکھنے اور اس کی دہشت سے ان کی تباہی ہوئی تھی۔ اور ایسے ہی عذاب کا ان لوگوں نے مطالبہ کیا تھا۔ اور دوسرے یہ کہ ان قوموں کی طرف شعیب علیہ السلام ہی مبعوث ہوئے تھے اور یہ دونوں اقوام ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلہ پر آباد تھیں اور یہ دونوں ہی تجارتی بددیانتیاں کرتے تھے۔

[۱۱۱] ﴿ سات مستند تاریخی واقعات کا ماحصل۔ اللہ کی نافرمانی اور رسول کی تکذیب کے نتیجہ میں اللہ کا عذاب:۔ سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سات اقوام کا ذکر کیا ہے۔ قوم موسیٰ، قوم ابراہیم، قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب ان سب قوموں نے اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی۔ اگرچہ ان اقوام کے تمدنی حالات ایک دوسرے سے مختلف تھے اور انبیاء سے ان کی بحث و جدال اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾

جسے روح الامین لے کر آپ کے دل[۱۱۲] پر نازل ہوا۔(۱۹۳) تاکہ آپ ڈرانے[۱۱۳] والوں میں شامل ہو جائیں۔(۱۹۴) جو کہ فصیح عربی زبان[۱۱۴] میں ہے۔(۱۹۵)

سوال و جواب کا انداز بھی کچھ حد مختلف اور کچھ حد تک یکساں رہا لیکن چونکہ ان کے بنیادی جرم کی نوعیت ایک جیسی تھی یعنی تکذیب رسالت۔ لہٰذا ان کا انجام بھی ایک ہی جیسا رہا یعنی وہ بالآخر اللہ کے عذاب سے تباہ و برباد ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور ان پر ایمان والوں کو ان ظالموں کے ہاتھوں سے بھی اور اپنے عذاب سے بھی بچا لیا۔ ان سات مستند تاریخی واقعات کے بعد بھی اگر کوئی شخص رسول کی تکذیب اور اللہ کی نافرمانی کے انجام یعنی عذاب الٰہی میں باہمی ربط کو توڑنا چاہے۔ اور عذاب الٰہی کے طبعی اسباب ڈھونڈنا شروع کر دے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سات مرتبہ فرمایا ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور یہ خطاب صرف کفار مکہ کیلئے ہی نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے جو اس سبب اور اس کے انجام کے ربط کو توڑنا چاہتا ہے۔ اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اور ایسے شخص وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ کو بھول کر دنیا کے بندے ہی بن کر رہ گئے ہوں۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔

ان مسلمہ تاریخی واقعات اور ان کے مسلمہ نتائج بیان کرنے کے بعد سلسلہ کلام اسی مضمون کی طرف پھرتا ہے جو اس سورہ کے ابتدا میں بیان ہوا تھا۔

[۱۱۲] یعنی قرآن اور اس میں بیان کردہ یہ تاریخی واقعات اس اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہیں جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پھر ان قرآنی آیات کو لے کر امین روح یعنی جبریل علیہ السلام نازل ہوئے جو اپنی طرف سے کچھ کمی بیشی نہیں کر سکتے۔ پھر جب بھیجنے والا غیب اور شہادت کو پوری طرح جانتا ہو اور اس کو لانے والا بھی امین ہو تو ان آیات کے مبنی بر حقائق ہونے میں شک کی کون سی گنجائش رہ جاتی ہے؟

[۱۱۳] پھر یہی مبنی بر حقائق آیات جبریل امین لے کر براہ راست آپ کے دل پر اس کلام کو نازل کرتے ہیں تاکہ آپ ایسے واقعات تمام لوگوں کو سنا کر نافرمانوں کو ان کے برے انجام سے بروقت متنبہ کر دیں۔

۞ وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ کی کیفیت:۔ واضح رہے وحی الٰہی کی تین صورتیں قرآن میں مذکور ہیں سب سے معروف شکل یہ ہے کہ جبریل پیغمبر کے دل پر نازل ہو کر وحی کے الفاظ اس میں ڈال دے اس صورت میں پیغمبر کا رشتہ عالم دنیا سے کٹ کر عالم بالا سے جڑ جاتا ہے۔ وحی کے دوران پیغمبر کے حواس ظاہری کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور قلبی حواس کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ پیغمبر دل کی آنکھ سے فرشتہ کو دیکھتا ہے۔ دل کے کانوں سے وحی سنتا ہے۔ بالفاظ دیگر وحی کے دوران پیغمبر کو بشریت سے کٹ کر ملکیت کی طرف کرتا ہے۔ لہٰذا وحی کی یہ شکل جسمانی لحاظ سے آپ کے لئے نہایت تکلیف دہ ہوتی تھی۔ شدید قسم کا بوجھ آپ پر پڑ جاتا تھا اور حالت غیر ہو جاتی تھی اور اس بوجھ کو وہ جاندار بھی محسوس کرتے تھے جن کا جسم آپ کے جسم سے لگا ہوتا تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کبھی تو ایسے آتی ہے جیسے گھنٹے کی جھنکار اور یہ وحی مجھ پر بہت سخت گزرتی ہے۔ پھر جب فرشتے کا کہا مجھ کو یاد ہو جاتا تو یہ موقوف ہو جاتی ہے۔ اور کبھی فرشتہ مرد کی صورت میں میرے پاس آتا ہے، مجھ سے بات کرتا ہے میں اس کا کہا یاد کر لیتا ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میں نے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ سخت سردی کے دن میں آپ پر وحی اترتی پھر موقوف ہو جاتی اور آپ کی پیشانی سے پسینہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی

اور یقیناً اس کا ذکر پہلے صحیفوں میں موجود [۱۱۵] ہے۔(۱۹۶) کیا ان (اہل مکہ) کے لئے یہ نشانی (کافی) نہیں کہ اس بات کو بنی اسرائیل [۱۱۶] کے علماء جانتے ہیں۔(۱۹۷) اور اگر ہم اس قرآن

ٹپکتا" (بخاری۔ کتاب الوحی۔ باب کیف کان بدء الوحی الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

نیز سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "آپ ﷺ نے مجھے جب یہ آیت لکھنے کو کہا: ﴿لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اس وقت عبداللہ بن ام مکتوم (جو نابینا تھے) نے آپ کے پاس آکر کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! اگر مجھے جہاد کی طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد کرتا۔ اسی وقت اللہ نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ اس وقت آپ کی ران میری ران پر تھی آپ کی ران اتنی بوجھل ہوگئی کہ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ نیچے سے میری ران ٹوٹ جائے گی پھر جب وحی کی کیفیت موقوف ہوئی تو اللہ نے ﴿غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ﴾ بھی نازل فرمایا۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورہ نساء)

(وحی کی دوسری صورتوں کے لئے دیکھئے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۵۱ کا حاشیہ)

وحی کی اس قسم کو وحی جلی کہتے ہیں۔ قرآن کریم سارے کا سارا وحی جلی کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وحی جلی ساری کی ساری قرآن میں محصور ہے۔ ایسی ہی وحی کا تھوڑا بہت حصہ احادیث میں بھی مذکور ہے۔ مثلاً زنا کی سزا سے متعلق عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کہ (خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللہ لھن سبیلا) عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ "اس وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو قرآن کی وحی کے نزول کے وقت طاری ہوتی تھی" (مسلم۔ کتاب الحدود۔ باب حد الزنا)

[۱۱۴] یہ وحی جو جبریل امین لے کر آپ کے دل پر اترا ہے بڑی فصیح، واضح اور شگفتہ زبان میں ہے۔ یہ اس لئے کہ آپ کی قوم عربی زبان ہی بولتی اور سمجھتی ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ جب انہیں ان کے انجام سے خبردار کریں تو بات پوری طرح ان کی سمجھ میں آسکے۔ یہ واضح رہے کہ وحی جلی کے الفاظ بھی مِن جانب اللہ القا ہوتے ہیں۔

[۱۱۵] اس آیت کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ آپ کے عرب قوم کی طرف مبعوث ہونے کی خبر سابقہ آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ ان کتابوں میں بہت سی تحریف و تبدل کے باوجود بھی اب تک اس قسم کی پیشین گوئیوں کا ایک ذخیرہ پایا جاتا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسی قرآن کے مضامین اجمالاً یا تفصیلاً سابقہ آسمانی کتابوں میں پائے جاتے ہیں بالخصوص توحید، رسالت، قصص اور تذکیر بایام اللہ اور آخرت سے متعلق دلائل اور تفصیل جیسے مضامین جن پر تمام کتب سماویہ اور انبیاء و مرسلین کا اتفاق رہا ہے۔

[۱۱۶] ۞ علماء بنی اسرائیل خوب جانتے تھے کہ آپ ﷺ موعود رسول ہیں:۔ یعنی آپ کی رسالت کی صداقت کے لئے یہ ثبوت بھی کافی ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء یہ بات خوب جانتے ہیں کہ آپ وہی رسول ہیں اور یہ کتاب قرآن وہی آسمانی کتاب ہے جس کی سابقہ آسمانی کتابوں میں خبر دی گئی ہے۔ پھر ان میں سے بعض منصف مزاج عالموں نے اسی خبر کی بنا پر اسلام قبول کر لیا جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے کہا تھا اور بعض اپنی خصوصی مجلسوں میں اس بات کا اعتراف تو کرتے ہیں لیکن بعض مصلحتوں کی بنا پر اس کا اعلان و اقرار کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ
مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا
يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى

کو کسی عجمی پر اتارتے (۱۹۸) جو انہیں پڑھ کو سناتا تو بھی یہ اس پر [۱۱۷] ایمان نہ لاتے (۱۹۹) اس طرح ہم نے مجرموں کے دل میں (بس بیہودہ اعتراضات کرنا ہی) ڈال [۱۱۸] دیا ہے۔ (۲۰۰) کہ وہ جب تک دردناک عذاب [۱۱۹] دیکھ نہ لیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۲۰۱) پھر اچانک ان پر دردناک عذاب آجائے گا اور انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ (۲۰۲) اس وقت وہ کہیں گے کہ "کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے؟ (۲۰۳) کیا یہ ہمارا عذاب [۱۲۰] جلد طلب کرتے ہیں۔ (۲۰۴) بھلا دیکھو! اگر ہم انہیں برسوں عیش کرنے کی مہلت دے دیں۔ (۲۰۵) پھر ان پر وہ عذاب آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ (۲۰۶) تو بھی وہ سامان عیش و عشرت جس [۱۲۱] سے وہ لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ان کے کچھ کام نہ آئے گا (۲۰۷) اور ہم نے کبھی کسی ایسی بستی کو ہلاک نہیں کیا جہاں کوئی ڈرانے والا نہ بھیجا ہو۔ (۲۰۸)

[۱۱۷] موجودہ صورت حال یہ ہے کہ نبی بھی عربی ہے اور قرآن بھی عربی زبان میں ہے تو ان کافروں کو یہ شبہ پڑ گیا ہے کہ کہیں قرآن اس نے خود ہی نہ تصنیف کر ڈالا ہو۔ اب فرض کیجئے کہ ہم یہی فصیح عربی زبان والا قرآن کسی عجمی پر نازل کرتے تو ان پر شک و شبہ کرنے کے لئے دوسری کئی راہیں کھل جاتیں۔ مثلاً یہ کہہ دیتے کہ یہ آیات اللہ نے جبریل کے ذریعہ اس پر نازل نہیں کیں بلکہ اسے تو کوئی جن یا شیطان پڑھا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ "خوئے بدرا بہانہ بسیار" والا معاملہ ہے۔ نیت میں فتور ہو تو شک و شبہ کے بہانے ہزاروں مل سکتے ہیں۔

[۱۱۸] اس کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ اور اوپر کے حاشیہ سے واضح ہے اور ربطِ مضمون کے لحاظ سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے سلکناہ میں ہ کی ضمیر کو قرآن کی طرف لوٹایا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے قرآن کو ان مجرموں کے دلوں میں گھسا دیا ہے اور وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ مگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اس کو بہر حال جھٹلانے پر کمر بستہ ہیں۔

[۱۱۹] یہ لوگ دراصل لاتوں کے بھوت ہیں۔ ان کا علاج دلائل نہیں بلکہ ڈنڈا ہے۔ جب انہیں جوتے پڑیں گے اور اللہ کا عذاب دیکھ لیں گے، خواہ یہ دنیا میں آئے یا موت کے وقت دیکھیں یا قیامت کو دیکھیں اس وقت یہ سب باتیں مانتے چلے جائیں گے۔ لیکن اس وقت ان کے ماننے کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوگی۔

[۱۲۰] یعنی آج انہیں مہلت ملی ہوئی ہے تو عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ پھر جب عذاب دیکھ لیں گے تو اس وقت مہلت کا مطالبہ کریں گے۔ حالانکہ نہ ان کا پہلا مطالبہ درست تھا اور نہ دوسرا درست ہوگا اس لئے کہ عذاب الٰہی کے لئے بھی ایک ضابطہ مقرر ہے اس کا دارومدار کسی کے مطالبہ کرنے یا نہ کرنے پر نہیں ہے۔ پھر جب معین وقت پر عذاب آجاتا ہے تو پھر اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی۔ نہ کسی کے مطالبہ پر مزید مہلت مل سکتی ہے۔

[۱۲۱] یہ کافروں کے مہلت کے مطالبہ کا دوسرا جواب ہے یعنی ہم نے انہیں دنیا میں سال ہا سال تک مہلت دی تو کیا اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ

جو انہیں نصیحت کرے اور ہم ظالم [۱۲۲] نہیں ہیں (۲۰۹) اور اس قرآن کو شیطان تو لے کر نہیں [۱۲۳] اترے۔ (۲۱۰) یہ بات تو ان کے لائق [۱۲۴] ہے اور نہ ہی وہ ایسا کر سکتے ہیں (۲۱۱) وہ تو اسے سن پانے سے بھی دور [۱۲۵]

مہلت سے انہوں نے کچھ فائدہ اٹھایا؟ اور اگر ہم انہیں دوبارہ مہلت دے بھی دیں پھر بھی یہ لوگ اس مہلت سے کچھ فائدہ نہیں اٹھائیں گے جب دی ہوئی مہلت میں ان کا سامان عیش و عشرت ان کے کسی کام نہ آئے گا تو اس سالہا سال تک دی ہوئی مہلت کو وہ بالکل تھوڑی مدت سمجھیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ ہم بہت جلد پکڑ لیے گئے۔

[۱۲۲] اتمامِ حجت کے بعد ہی عذاب آتا ہے:۔ اور ہمارا ظلم یا زیادتی تو صرف اس صورت میں شمار ہو سکتا ہے جب ہم کسی قوم پر بغیر خبردار کئے یکدم عذاب نازل کر دیتے جبکہ اصلی صورت حال یہ ہے کہ ہم نے ہر بستی میں انبیاء بھیجے جو لوگوں کو ان کے برے انجام سے خبردار کرتے رہے اور لوگ انہیں جھٹلاتے رہے۔ اور نبیوں کو یہ کہہ کہہ کر پریشان کرتے رہے کہ جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ جلد از جلد لے کیوں نہیں آتے۔ جس سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ عذاب کا وعدہ بھی سراسر جھوٹ اور فریب ہے ان باتوں کے باوجود ہم انہیں سنبھلنے کا موقع دیتے رہے۔ اور ہر ممکن طریقے سے حجت پوری کرنے کے بعد اور انہیں نصیحت کرنے کے بعد ان پر عذاب بھیجا اور اس لئے بھیجا کہ وہ ہر لحاظ سے عذاب کے مستحق ہو چکے تھے اس میں ہماری کچھ زیادتی نہیں تھی۔

[۱۲۳] کفار کا آپ پر الزامِ کہانت:۔ اس آیت کا تعلق سابقہ آیت ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے ہے درمیان میں قرآن کو جھٹلانے والوں کے کچھ احوال بیان کرنے کے بعد اصل مضمون کی طرف رجوع کیا گیا ہے کفار مکہ کے الزامات میں سے ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ آپ کو کاہن کہتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔ چنانچہ جندب بن سفیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج ناساز ہوا اور آپ دو تین رات نماز تہجد کے لئے اٹھ نہ سکے۔ ایک عورت (عوراء بنت حرب، ابوسفیان کی بہن، ابولہب کی بیوی) آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی "(محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) میں سمجھتی ہوں۔ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا۔ دو تین راتوں سے تیرے پاس نہیں آیا" اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں ﴿وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ (بخاری۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۂ والضحیٰ)

[۱۲۴] ایسا قرآن نازل کرنا شیطانوں کے بس کا روگ نہیں۔ جو سراسر لوگوں کی ہدایت و فلاح کا ضامن ہو جس میں خالصتاً توحید باری کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور شرک اور بت پرستی سے روکا گیا ہے۔ آخرت کی باز پرس کا خوف دلایا گیا ہے۔ ظالم اور بداخلاقی سے منع کیا گیا ہے۔ نیکوکاری اور راست بازی اور خلق خدا کے ساتھ احسان کی تعلیم دی گئی ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کو ایک مکمل ضابطۂ حیات عطا کیا گیا ہے کیا کسی شیطان کے کلام میں ایسی باتوں کا پایا جانا ممکن ہے؟ شیطان تو قرآن کے نام تک سے بدکتے ہیں وہ ایسا کلام لا کیسے سکتے ہیں؟

[۱۲۵] اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام جبریل روح الامین کو دے کر بھیجا جو سیدھے یہ کلام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل ہوئے۔ اب اس راستہ میں کوئی ایسا مقام آتا ہے جہاں سے شیطان اس کلام کا کچھ حصہ سن سکتے ہوں؟ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس مضمون کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جب یہ کلام نازل کیا جاتا ہے تو اس کے ارد گرد کڑا پہرہ بھی مقرر کیا جاتا ہے جس کے دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں کہیں سے بھی باطل کی آمیزش نہیں ہو سکتی (۴۱: ۴۲) اور دوسرا یہ کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ
الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

رکھے گئے ہیں (۲۱۲) پس (اے نبی) اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نہ پکاریئے، ورنہ آپ بھی سزا پانے [۱۲۶] والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (۲۱۳) اور اپنے کنبہ کے قریبی رشتہ داروں [۱۲۷] کو (برے انجام سے) ڈرایئے (۲۱۴) اور ایمان لانیوالوں میں سے جو آپ کی اتباع کریں ان سے تواضع سے پیش آیئے۔ (۲۱۵) پھر اگر آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے کہئے کہ جو کچھ

شیاطین اگر اس کلام کو چوری چھپے سننے کی کوشش کریں بھی تو سن نہیں سکتے بلکہ شہابِ ثاقب کے ذریعہ ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ (۹:۷۲)

[۱۲۶] اس میں مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو توحید کی طرف دعوت دینے والے اور شرک کے دشمن ہیں۔ اور آپ سے شرک کا صدور ناممکن ہے۔ اور انداز خطاب دراصل اس حکم میں تاکید مزید کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ جو سب سے افضل و اشرف ہیں اگر آپ بھی شرک کریں تو اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔ دراصل مشرکینِ مکہ پر شرک کی شدید قباحت کی وضاحت کے لئے یہ انداز اختیار کیا گیا ہے فی الحقیقت اس آیت کے مخاطب وہی لوگ ہیں جو اپنی حاجت براری اور مشکل کشائی کے لئے دوسروں کو پکارتے ہیں۔

[۱۲۷] ❁ قریش کو آپ کی پہلی دعوت:۔ آپ بعثت کے بعد تین سال تک انتہائی خفیہ طریقہ پر دارارقم میں فریضہ تبلیغ سرانجام دیتے رہے۔ بعد میں یہ حکم نازل ہوا کہ آپ اب اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی کھل کر شرک سے بچنے کی دعوت دیجئے اور اس شرک کے انجام سے انہیں ڈرایئے۔ اس آیت پر آپ نے جس طرح عمل فرمایا وہ درج ذیل احادیث سے واضح ہے:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ باہر نکلے اور صفا پہاڑ پر چڑھ گئے اور آواز دینے لگے: اے فہر کی اولاد، اے عدی کی اولاد، غرض قریش کے سب خاندانوں کو پکارا۔ وہ جمع ہو گئے جو کوئی خود نہ آسکا اس نے اپنی طرف سے ایک آدمی بھیج دیا تاکہ یہ دیکھے کہ کیا معاملہ ہے۔ ابولہب خود آیا اور قریش کے دوسرے لوگ بھی آگئے۔ آپ نے ان سے پوچھا: "اگر میں تم سے کہوں کہ اس وادی کے اس طرف کچھ سوار تم پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہیں تو کیا تم میری بات سچ مانو گے؟" انہوں نے کہا۔ "بے شک! کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ ہی سچ بولتے دیکھا ہے" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ جو (قیامت کو) تمہیں پیش آنے والا ہے" اس پر ابولہب کہنے لگا: "تم پر بقیہ سارا دن ہلاکت ہو کیا تم نے اسی بات کے لئے ہمیں اکٹھا کیا تھا؟" اس وقت یہ سورت نازل ہوئی تبت یدا ابی لہب۔۔۔۔۔۔۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ کھڑے ہو کر فرمانے لگے: "اے قریش کے لوگو! (یا کچھ ایسا ہی کلمہ کہا) تم اپنی اپنی جانیں بچالو۔ میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے بنو عبد مناف! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے میری پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ! میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے لیکن اللہ کے سامنے میں تیرے کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۸﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ

تم کرتے ہو[۱۲۸]، میں اس سے بری الذمہ ہوں۔(۲۱۶) اور اس غالب[۱۲۹] اور رحیم پر بھروسہ کیجئے۔(۲۱۷) جو آپ کو اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب آپ کھڑے[۱۳۰] ہوتے ہیں(۲۱۸) اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان[۱۳۱] آپ کے (رکوع و سجود) کی حرکات کو بھی دیکھتا ہے(۲۱۹) یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔(۲۲۰) آپ لوگوں سے کہئے کہ: "کیا میں تمہیں بتاؤں شیطان کس پر نازل ہوتے ہیں؟(۲۲۱) وہ ہر جعل ساز، گنہگار[۱۳۲] پر نازل ہوتے ہیں۔(۲۲۲)

کام نہ آسکوں گا" (حوالہ ایضاً)

[۱۲۸] ربطِ مضمون کے لحاظ سے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ ان قریبی رشتہ داروں سے جو آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی دعوت کو تسلیم کرلیں آپ ان سے تواضع سے پیش آیئے۔ اور جو نہ مانیں انہیں صاف سنا دیجئے کہ قیامت کے دن میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ تمہیں اپنے ان شرکیہ اعمال و افعال کا نتیجہ خود ہی بھگتنا پڑے گا۔ تاہم یہ حکم عام ہے جس میں آپ کے رشتہ دار اور غیر رشتہ دار سب قسم کے لوگ شامل ہیں۔

[۱۲۹] اس اللہ پر بھروسہ کیجئے جو نہ ماننے والوں اور اس راہ میں روڑے اٹکانے والوں پر غالب ہے اور انہیں سزا دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے اور مومنوں کے حق میں جو کافروں کے ہاتھوں نشانہ ستم بنے ہوئے ہیں رحیم بھی ہے وہ ان مظلوموں کی ضرور مدد کرے گا۔ اور ان کی محنتوں اور قربانیوں کا انہیں پورا بدلہ عطا کرنے کے علاوہ انہیں اپنے انعامات سے بھی نوازے گا۔

[۱۳۰] یعنی جب آپ نماز کے لئے رات کو اٹھتے ہیں یا کسی بھی نماز میں قیام کی حالت میں ہوتے ہیں یا تبلیغ رسالت کے فریضہ کی انجام دہی کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

[۱۳۱] اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب آپ نماز باجماعت میں اپنے مقتدیوں کے ساتھ رکوع و سجود کرتے ہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جب آپ رات کو اٹھ کر گشت کرتے ہیں کہ کون کون سے عبادت گزار اس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں اور کون کون سے غافل ہیں۔ اس وقت بھی اللہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ تیسرا یہ کہ سجدہ گزار لوگوں کے ساتھ مل کر آپ جو بھی اعلائے کلمۃ الحق کی سربلندی کے لئے تگ و دو کرتے ہیں اللہ آپ لوگوں کی ایک ایک نقل و حرکت سے واقف ہوتا ہے۔

[۱۳۲] ۞ شیطان صرف بدکردار لوگوں پر اترتے ہیں:۔ پہلے یہ بیان ہو رہا تھا کہ قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کی تنزیل شیطانوں کے بس کا روگ نہیں اور یہ بات ناممکنات سے ہے کہ وہ اس جیسی ایک آیت بھی لا سکیں۔ اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ شیطان کیسی چیز اتارتے ہیں اور کیسے لوگوں پر اترتے ہیں۔ شیطان صرف جھوٹوں، بدمعاشوں اور بدکاروں پر اترتے ہیں۔ وہ دیانتدار، راست باز اور نیک لوگوں سے بیزار ہوتے ہیں اور انہیں برا جانتے ہیں۔ وہ جھوٹے اور دغاباز قسم کے لوگوں پر خوش ہوتے ہیں اور یہی لوگ ان کی مرضی کے موافق ہوتے ہیں اور ایسے ہی لوگ شیطانوں کے القاء کے مطابق کہانت کا کاروبار چلاتے ہیں اور ان سے مراد کاہن، جوتشی، فال نکالنے والے، رمال، جفار اور عامل قسم کے لوگ ہیں جو اپنی غیب دانی کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۲۴﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ

جو (شیطانوں کی طرف) اپنے کان لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے[۱۳۳] ہوتے ہیں(۲۲۳) اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ[۱۳۴] ہی کرتے ہیں۔(۲۲۴) کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ (خیالوں کی) ہر وادی میں بھٹکتے[۱۳۵]

ڈھونگ رچاتے، لچھے دار باتیں بناتے اور لوگوں کو ان کی قسمتیں بتاتے پھرتے ہیں۔ پھر کچھ لوگ جنوں کی تسخیر اور منتوں کے ذریعہ لوگوں کی بگڑی بناتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد محض پیسہ بٹورنا ہوتا ہے۔

❁ کہانت اور ابن صیاد:۔ دورِ نبوی میں مدینہ میں بھی ایک ایسا کاہن رہتا تھا جس کا نام ابن صیاد تھا جو غیب کی خبریں بتایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ وہ کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ان پڑھوں کا رسول ہے پھر اس نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ آپ ﷺ نے اسے ٹھونکا مارا اور فرمایا: اللہ تجھے تیری حد سے آگے نہ بڑھنے دیگا۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: اچھا بتاؤ۔ اس وقت میرے دل میں کیا ہے۔ اس وقت آپ کے دل میں سورہ دخان کا خیال آرہا تھا۔ اس نے کہا "دخ" اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ اسے دجال خیال کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اس کو قتل کرنے کی اجازت بھی طلب کی۔ آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کام سے روک دیا اور فرمایا: اگر یہ فی الواقع دجال ہے تو اس کی موت تیرے ہاتھوں واقع نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ دجال نہیں تو اسے قتل کرنا تیرے لئے بہتر نہیں۔ (بخاری۔ کتاب القدر۔ باب قولہ تعالیٰ۔ یحول بین المرء وقلبہ)

اب اس کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کی زندگی کو دیکھا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے ان لوگوں کی راست بازی، صدق، امانت و دیانت، پرہیزگاری اور خوش اخلاقی وغیرہ ایسے اوصاف ہیں جن کی ان بدکرداروں کو ہوا بھی نہیں لگی ہوتی۔

[۱۳۳] ❁ کہانت کی بنیاد سراسر جھوٹ پر ہے:۔ یعنی ان کاہن قسم کے لوگوں کے ذرائع معلومات انتہائی ناقص قسم کے ہوتے ہیں۔ اور اس آیت کے بھی دو مطلب ہیں ایک یہ کہ شیطان ملاء اعلیٰ کی طرف کان لگاتے ہیں اور کوئی ایک آدھ بات سن پائیں تو اس میں سو جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ کاہن شیطانوں کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں۔ پھر جب شیطان کسی کاہن کو کچھ القاء کرتا ہے تو یہ کاہن اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتاتے ہیں۔ گویا ان کے کاروبار کی بنیاد سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے۔

[۱۳۴] کفار مکہ کا ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ (معاذ اللہ) شاعر ہیں۔ اسی نسبت سے یہاں شاعروں اور شاعروں کو داد دینے والوں کے کچھ اوصاف بیان فرما دیئے۔ تاکہ ہر شخص از خود یہ فیصلہ کر لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ پھر آپ کے پیروکاروں کے اوصاف کیسے ہیں۔ اور شاعروں کے پیروکار کیسے ہوتے ہیں؟ شاعروں کا کام محض گرمی محفل اور وقتی جوش پیدا کرنا ہوتا ہے جس کا مستقل ہدایت سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ اور ان کو داد دینے والے بھی ہدایت کی راہ سے بے بہرہ اور بہکے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔

[۱۳۵] ❁ شاعروں کی خصوصیات۔ تخیل ہی تخیل۔ تضاد بیانی اور عملی فقدان:۔ ان دو آیات میں شاعروں کی دو خصلتیں بیان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ
كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾ ع ۱۱ ۱۵

پھرتے ہیں(۲۲۵) اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے[۱۳۶] نہیں۔(۲۲۶) بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہے۔ اور جب ان پر ظلم ہوا تو انہوں نے بدلہ لے لیا[۱۳۷] اور عنقریب ان ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس (برے) انجام سے دوچار[۱۳۸] ہوتے ہیں(۲۲۷)

فرمائیں ایک یہ کہ ان کے کلام میں تخیل ہی تخیل اور غلو کی حد تک پہنچا ہوا مبالغہ ہوتا ہے جس کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی کی تعریف کرنے بیٹھے تو اسے آسمان پر چڑھا دیا کسی کی ہجو پر آئے تو اسے دنیا کی بدترین مخلوق بنا کر پیش کر دیا۔ پھر اگر کسی سے کچھ انعام واکرام مل گیا تو اس کی مدح سرائی شروع کر دی۔ کسی کی پگڑی اچھالی۔ کہیں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائی اور عشق لگائے بغیر تو کسی شاعر کی شاعری مکمل ہی نہیں ہوتی۔ کہیں محبوبہ سے شکایتیں ہیں، تو کہیں رقیبوں پر برس رہے ہیں، دور از کار استعاروں اور تشبیہات کا استعمال اور اپنی ثناخوانیاں جن میں حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ غرضیکہ زندگی کا کوئی میدان ایسا نہیں جن میں یہ اپنے تخیل کے گھوڑے نہ دوڑاتے ہوں اور سرنہ پھٹکتے پھرتے ہوں۔ ان کی زندگی کا نہ کوئی متعین مقصد ہوتا ہے اور نہ ہی یہ کسی اصول کے پابند ہوتے ہیں۔

[۱۳۶] شاعر حضرات کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کے قول اور فعل میں نمایاں تضاد ہوتا ہے وہ کہتے کچھ اور ہوتے کچھ ہیں۔ اور یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی عین ضد تھی۔ آپ جو تعلیم پیش کرتے تھے سب سے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے پھر ایمان لانے والوں کو اسی تعلیم کا نمونہ بناتے تھے۔ لہٰذا اے مشرکین مکہ! خود ہی اندازہ کر لو کہ اس پیغمبر کے شاعر ہونے کا جو الزام تم لگا رہے ہو وہ کہاں تک درست ہے؟

[۱۳۷] ۞ کون سے شعراء اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں؟ جن شعراء کی عام مذمت بیان کی گئی۔ ان میں سے مندرجہ ذیل چار خصائل والے شعراء مستثنیٰ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ایمان لائے ہوں۔ دوسرے انہوں نے نیک اعمال کو اپنا طرز زندگی بنا لیا ہو۔ تیسرے اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہتے ہوں۔ کسی وقت بھی ان کے دل اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ چوتھے یہ کہ جو کچھ کہیں، ظالموں کے مقابلہ میں حق کی حمایت کے شعر کہیں۔ کسی کی ہجو اپنی ذاتی اغراض کے ماتحت نہ کریں۔ مثلاً اشعار کے ذریعہ اللہ کی حمد وثنا بیان کریں۔ نیکی کی ترغیب دیں۔ کفر کی اور گناہوں کی مذمت بیان کریں یا اگر کافر مسلمانوں یا اسلام یا پیغمبر اسلام کی ہجو بیان کریں تو ہجو کا اسی طرح جواب دے کر اس ظالم کا بدلہ لے لیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قریش نے مسلمانوں کی ہجو کی تو آپ نے مسلمانوں سے کہا کہ ان کی ہجو کا جواب دو۔ کیونکہ ہجو قریش کو تیروں کی بوچھاڑ سے زیادہ ناگوار ہے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ سے ہجو کرنے کو کہا۔ لیکن ان کی ہجو آپ کو پسند نہ آئی۔ پھر آپ نے کعب بن مالک سے کہا پھر حسان بن ثابت سے ہجو کرنے کا کہا اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ ذرا دھیان رکھنا میں بھی قریش سے ہوں۔ سیدنا حسان کہنے لگے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا پیغمبر بنا کے بھیجا۔ میں آپ کو قریش میں سے ایسے نکال لوں گا جیسے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے حسان کے حق میں دعا کی یا اللہ اس کی روح القدس سے مدد کر۔ نیز فرمایا حسان! جب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تک تو اللہ اور اس کے رسول کے طرف سے جواب دیتا رہے گا روح القدس تیری مدد کرتا رہے گا۔ نیز فرمایا: حسان نے قریش کی ہجو کر کے مومنوں کے دلوں کو تسکین دی اور کافروں کی عزتوں کو تباہ کر دیا" (مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ) اس کے بعد سیدنا حسان بن ثابت کا طویل قصیدہ مسلم شریف میں مذکور ہے۔

[۱۳۸] یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور شاعر یا ساحر اور مجنون قرار دیتے تھے تاکہ دعوت دین اسلام میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر کے حق کو نیچا دکھا سکیں۔

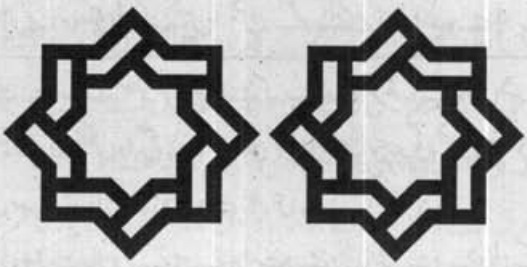

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ

۹۳ آیاتھا رکوعھا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿١﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي

کلمات ۱۱۶۷ آیت ۹۳ (۲۷) سورہ النمل مکی ہے (۴۸) رکوع ۷ حروف ۴۸۷۹

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

ط۔ س یہ قرآن اور وضاحت[۱] کرنے والی کتاب کی آیات ہیں(۱) جو ان ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت[۲] اور بشارت ہیں۔(۲) جو نماز قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے اور آخرت[۳] پر یقین رکھتے ہیں۔(۳) اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے ان کے کرتوتوں کو خوشنما بنا دیا ہے۔ لہٰذا وہ اندھے[۴] بنے پھرتے ہیں۔(۴) یہی لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے اور آخرت میں وہی سب سے

[۱] یعنی اس کتاب کے پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ بالکل واضح ہے اس میں کوئی ابہام یا پیچیدگی نہیں جو کسی کی سمجھ میں نہ آسکے۔ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ حق اور باطل سب کچھ بڑی وضاحت سے بتا رہی ہے۔

[۲] اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی صفات بیان کرتے ہوئے ہدایت دینے والی یا بشارت دینے والی کے بجائے صرف ہدایت اور بشارت فرمایا۔ گویا یہ کتاب مجسم ہدایت اور مجسم بشارت ہے۔ اور ان الفاظ کے استعمال میں بلاغت بھی ہے اور فصاحت بھی۔ البتہ یہ کتاب ہدایت اور بشارت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ سمجھتے ہیں اور اللہ پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔ اور جو سرے سے اسے اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہ سمجھیں ان کے لئے نہ یہ ہدایت بن سکتی ہے اور نہ بشارت۔

[۳] ۞ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے اور جزا و سزا کا تصور صحیح نہ رکھنے والے کافر ہیں:۔ ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں کی ظاہری علامات یہ ہیں کہ کم از کم وہ نماز کو پوری درستی کے ساتھ قائم کریں۔ نیز زکوٰۃ ادا کریں اور روزِ آخرت پر ایمان بھی رکھتے ہوں۔ روز آخرت پر ایمان اگرچہ ایمان کے چھ اجزاء میں ایک جزء ہے اور ایمان لانے میں آخرت پر ایمان لانا از خود شامل ہو جاتا ہے۔ تاہم ایمان کے اس جزء کی اہمیت کے پیش نظر اس کو دوبارہ اور بڑی تاکید سے بیان فرمایا۔ اسی لئے قرآن کریم نے آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کو مکمل کافر قرار دیا ہے۔ بلکہ ان لوگوں کو بھی کافر قرار دیا ہے جو آخرت کے دن پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر جزا و سزا کے متعلق وہ تصور نہیں رکھتے جو قرآن پیش کرتا ہے۔

[۴] یعنی جو اللہ پر تو ایمان رکھتے ہوں مگر روزِ آخرت پر ایمان نہ رکھتے ہوں وہ اپنا معیار خیر و شر صرف انہی نتائج سے متعین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶ اِذْ قَالَ مُوْسٰى
لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷ فَلَمَّا جَاۗءَهَا

زیادہ خسارہ[۵] میں رہیں گے(۵) اور (اے نبی) آپ یہ قرآن ایک حکیم و علیم ہستی کی طرف سے پا[۶] رہے ہیں۔(۶)
جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ: "مجھے آگ سی نظر آئی ہے میں ابھی وہاں سے کوئی (راستہ کی) خبر لے کر آتا ہوں یا کوئی دہکتا[۷] ہوا انگارا لاتا ہوں تاکہ تم تاپ سکو۔(۷) پھر جب وہ وہاں پہنچے

کرتے ہیں جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے یا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کی زندگی کسی اصول کی پابند نہیں ہوتی وہ جس کام میں اپنا ذاتی فائدہ دیکھتے ہیں وہی کام ان کے نزدیک خیر ہے۔ دوسروں کے نفع و نقصان سے انہیں کچھ غرض نہیں ہوتی۔ دنیا میں تمام فسادات روزِ آخرت اور باز پرس سے انکار یا بھول کی بنا پر ہی واقع ہوتے ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ایسے دنیا پرست رکھنے والے لوگوں کو اپنے ایسے ہی خود غرضی پر مبنی اعمال اچھے نظر آنے لگتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ جو طرزِ عمل انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہی سب سے اچھا اور بہتر ہے۔

[۵] ایسے لوگوں کی زندگی شتر بے مہار کی طرح ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنے ہی دنیوی مفاد کی فکر میں پڑا ہوتا ہے۔ حق و باطل، توحید اور شرک، اخلاق اور بداخلاقی کی بحثیں ان کے لیے بے کار اور فضول ہوتی ہیں۔ ہر ایک کی غرض دوسرے کی غرض سے ٹکراتی ہے تو دنیا میں بھی ایسے ہی لوگ خسارہ میں رہتے ہیں اور آخرت میں ایسے لوگوں کا خسارہ میں رہنا ایک یقینی بات ہے۔ ان کو ایسے برے انجام سے سابقہ پیش آئے گا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔

[۶] یہ قرآن ایسی ہستی کی طرف سے نازل شدہ ہے جو تمام لوگوں کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کی نظروں میں سب انسان بحیثیت انسان ایک جیسے ہیں جو ہر ایک کے حقوق و فرائض اپنے اسی وسیع علم کی بنا پر مقرر کرتی ہے۔ پھر وہ حکیم بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ہر حکم میں کچھ نہ کچھ حکمتیں مضمر ہوتی ہیں اور اس کے احکام بندوں کی مصلحت پر ہی مبنی ہوتے ہیں۔

[۷] ❁ سیدنا موسیٰ کے آغاز نبوت کا پس منظر:۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اس دور کا واقعہ ہے جب آپ سیدنا شعیب علیہ السلام سے رخصت ہو کر واپس مصر اپنے وطن جا رہے تھے۔ بیوی ساتھ تھی اور وہ حاملہ تھی ایک بچہ اور ایک خادم بھی ساتھ تھے۔ جب طورِ سینا کے قریب پہنچے تو راستہ بھول گئے۔ سردیوں کا موسم، رات کا گھپ اندھیرا اور کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ اس حال میں راستہ بھی بھول گئے تو سخت پریشان ہوئے۔ دور کہیں آگ نظر آئی تو خیال کیا کہ وہاں ضرور کچھ لوگ ہوں گے۔ ان کے ہاں جاتا ہوں ان سے راستہ پوچھوں گا۔ اپنے بیوی بچوں سے کہنے لگے: تم یہیں ٹھہرو۔ میں وہاں جا کر راستہ پوچھ آتا ہوں اور اگر کسی نے راستہ نہ بھی بتایا تو کم از کم کچھ آگ کے انگارے ہی لیتا آؤں گا۔ تاکہ تم لوگ آگ تاپ کر کچھ گرمی حاصل کر سکو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا

تو ندا آئی کہ ''مبارک ہے۔ وہ جو اس آگ میں ہے اور جو[۸] اس کے ارد گرد ہے اور پاک ہے اللہ جو سب جہان والوں کا پروردگار ہے۔(۸) موسیٰ میں ہی اللہ[۹] ہوں۔ سب پر غالب اور حکمت والا۔ (۹) اپنی لاٹھی تو ذرا پھینکو، موسیٰ نے جب لاٹھی پھینکی تو دیکھا کہ وہ یوں حرکت کر رہی ہے جیسے سانپ ہو۔ آپ پیٹھ پھیر کر جو بھاگے تو پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ہم نے کہا) موسیٰ! ڈرو نہیں۔

[۸] وہاں پہنچے تو عجیب سا منظر دیکھا۔ آگ نے ایک درخت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے مگر درخت ویسے کا ویسا سرسبز ہے اور لہلہا رہا ہے۔ آس پاس کوئی آدمی بھی نہیں ہے۔ آگ سے دھواں بھی نہیں اٹھ رہا۔ اور پورا خطہ زمین روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ اسی حیرانی کے عالم میں کھڑے تھے کہ اس روشنی سے یا درخت میں سے ندا آئی، موسیٰ اپنے جوتے اتار لو۔ اس وقت تم طویٰ کی مقدس وادی میں پہنچ گئے ہو اور تم یہاں بھولے سے نہیں آگئے بلکہ ٹھیک ہمارے اندازے کے مطابق یہاں پہنچے ہو۔ اس آگ میں اور اس کے ارد گرد جو کوئی بھی ہے سب مبارک ہے۔ یہ آگ، یہ درخت، تم، خود اور آس پاس فرشتے سب مبارک اور بابرکت ہے۔ اور اللہ کی ذات، جو تمام جہانوں کی پروردگار ہے۔ ہر قسم کے جہات اور تشبیہات سے منزہ اور پاک ہے۔

[۹] اس منظر نے اور اس آواز نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تو پھر آواز آئی: موسیٰ ''میں اللہ ہوں، زبردست ہوں اور حکمت والا ہوں'' اور یہاں سبحان اللہ کہنے سے مقصود یہ تھا کہ اللہ رب العالمین ایسا نہیں جو اس درخت میں یا آگ میں موجود ہو یا ان میں حلول کر آیا ہو۔ بس اس مقام پر اللہ نے اپنی تجلی ڈالی تھی۔ جیسے سورج کے سامنے شیشہ رکھنے سے شیشے میں سے بھی روشنی اور اس کی شعاعیں اور سورج سب کچھ نظر آنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے اتنا بڑا سورج چھوٹے سے آئینہ میں سما گیا ہے یا اس جگہ موجود ہے۔

۞ معتزلہ جہمیہ اور متصوفین کا رد:۔ جہمیہ اور معتزلہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کی بزعم خود تنزیہہ بیان کرتے اور اپنے آپ کو اہل التوحید کہتے تھے نیز بعض متصوفین اس بات کے قائل ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی آواز نہیں سنی بلکہ اس درخت میں اللہ تعالیٰ نے بات کرنے کی قوت پیدا کر دی تھی اور یہ آواز اسی درخت کی آواز تھی اور اسی درخت سے نکل رہی تھی۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا درخت بیچارے کی یہ مجال ہے کہ وہ کہے ''میں اللہ ہوں، زبردست اور حکمتوں والا'' اور درخت یہ دعویٰ کر سکتا ہے تو پھر حسین بن منصور بن حلاج کا کیا قصور تھا جس نے انا الحق کا دعویٰ کیا تھا؟ نیز جنید بغدادی اور دیگر علمائے حق نے اس کے قتل کا کیوں فتویٰ دیا تھا؟

دراصل یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندے سے ہمکلام ہونے کی ایک خاص شکل ہے جسے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۵۱ میں ﴿او من وراء حجاب﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور وراء کا لفظ آگے، پیچھے، اوپر، نیچے غرضیکہ سب سمتوں کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حجاب میں رہ کر درخت کی طرف سے کلام کیا تھا اور اللہ کا حجاب نور ہے جیسا کہ احادیث میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ